

يا الله عز وجل

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

يا محمد ﷺ

الصلوة والسلام عليك يا رسول الله ﷺ
وعلى ألك واصحبك يا حبيب الله ﷺ

خُلَاصَةُ تَلْخِيصِ الْمِفْتَاحِ بِالْأَسْئَلَةِ وَالْأَجْوِبَةِ

[درجة ثالثة]

نام:

ولديت:

درجة:

{محسن مدني}

جامعة المدينة فيضان بلال (رضي الله تعالى)

س:01.....:صاحب تلخیص کے حالاتِ زندگی بیان کریں:

ج:.....:مصنف کے حالاتِ زندگی:

آپ کا نام محمد، والد کا نام عبد الرحمن، کنیت ابو عبد اللہ اور لقب عبد المعالی حلال الدین اور قاضی القضاہ ہے۔

آپ خطیب دمشق کے اعتبار سے مشہور ہیں۔ آپ کدوین کے باشندے ہیں اور مسلک شافعی ہیں۔ آپ (666) ہجری میں پیدا ہوئے۔ آپ نے اپنے والد اور بھائی کے ساتھ ملکِ روم میں سکونت اختیار کی۔ بہت ہی کم عمر میں علم فقہ سے فارغ ہو کر اطرافِ روم میں کسی جگہ قاضی مقرر ہو گئے۔ اس وقت آپ کی عمر (۲۰) سال سے بھی کم تھی۔ پھر آپ کچھ عرصے کے بعد دمشق تشریف لائے اور علوم و فنون حاصل کرنے میں مشغول ہو گئے۔ اصول، معانی وغیرہ میں دسترس حاصل کی اور اس زمانہ کے مشہور علماء سے حدیث کی تحصیل کیا اور جامع مسجد دمشق کے خطیب مقرر ہو گئے۔ کچھ عرصہ کے بعد آپ کو سلطان ناصر نے قضاہ کیلئے مقرر ہوا۔ تقریباً (۳۰۰۰) جو آپ کے ذمہ قرض تھا سلطان نے اس کی بھی ادائیگی کر دی۔ اسکے بعد پھر آپ قاضی القضاہ کے منصب پر فائز ہوئے اور وہاں اپنے فرائض انجام دیئے۔

آپ کی مشہور کتابیں:.....: [۱] تلخیص المفتاح
[۲] الايضاح فی شرح التلخیص ----- [۳] السور المرحبان من شعر الارحبان۔

آپ نے علامہ سکاکی کی مفتاح العلوم کی تلخیص کر کے ایک مختصر کتاب تالیف کی جس کا نام ”تلخیص المفتاح“ رکھا کیونکہ یہ کتاب بہت زیادہ مختصر ہو گئی تھی اس لیے موصوف نے کتاب مذکور کی فراغت کے بعد ایک اور کتاب تالیف کی جس کا نام ”الایضاح“ ہے جو کہ تلخیص کی شرح کی مثل ہے۔

وفات:.....: آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (۷۳۷) ساتھ سو سینتیس ہجری میں جمادی الاولیٰ کے مہینے میں اس دارِ فانی سے کوچ فرما گئے۔

س:02:.....: فصاحت و بلاغت کی تعریف بیان کریں:

ج:.....: فصاحت کی تعریف:

لغت میں فصاحت کے بہت سے معانی بیان کیے گئے ہیں اور وہ تمام کے تمام ظہور کے معنی پر دلالت کرتے ہیں۔ فصاحت یہ مفرد، کلام اور متکلم کا وصف واقع ہوتی ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے: **بِكَلِمَةٍ فَصِيحَةٍ** ، **كَلَامٌ فَصِيحٌ** ، **مُتَكَلِّمٌ فَصِيحٌ**۔

بلاغت کی تعریف:

بلاغت میں وصول اور انتہاء کے بارے میں خبر دی جاتی ہے اور بلاغت کے ساتھ آخر میں دو چیزیں موصوف ہوتی ہیں۔ یعنی بلاغت کلام اور متکلم کا وصف واقع ہوتی ہے یعنی یوں کہا جاتا ہے: **بِكَلَامٍ بَلِيغٍ** ، **مُتَكَلِّمٌ فَصِيحٌ** بلاغت یہ کلمہ کا وصف واقع نہیں ہوتی یعنی یوں نہیں کہا جاتا ہے: **بِكَلِمَةٍ بَلِيغَةٍ**۔

س:03:.....: فصاحت فی المفرد کی تعریف بیان کریں نیز تنافر حروف ، مخالفت قیاس اور عنراہت کی تعریف بیان فرمائیں:

ج:.....: فصاحت فی المفرد کی تعریف:

مفرد یعنی کلمہ کا تنافر حروف ، مخالفت قیاس اور عنراہت سے خالی ہونا۔

➤ تنافر حروف کی تعریف:

”وَصَفٌّ فِي الْمَفْرَدِ يُوجِبُ ثِقَلَهُ عَلَى اللِّسَانِ وَ عُسْرَ النُّطْقِ بِهَا“

[یعنی کلمہ میں ایک ایسا وصف ہے جو زبان پر ثقل کو ثابت کرتا ہے اور اسکی گفتگو اور دشواری کو ثابت کرتا ہے] جیسے

”عَدَائِرُهُ مُسْتَشْرِزَاتٌ إِلَى الْعُلَى“ (اسکی جانب بلندی کی جانب اٹھنے والی ہیں)

➤ غرابت کی تعریف:

”كَوْنُ الْكَلِمَةِ وَحِشِيَّةٌ غَيْرَ ظَاهِرَةِ الْمَعْنَى وَلَا مَانُوسَةٍ الْإِسْتِعْمَالِ“

[کلمہ کا وحشی غیر ظاہر المعنی اور غیر مانوس الاستعمال ہونا] جیسے فاهمًا و مُرسئًا و مُسرَّجًا یعنی اسکے بال کالے ہیں اسکی ناک سربچی کی تلوار کی طرح ہے۔

➤ مُخَالَفَتِ قِيَاسِ کی تعریف:

کلمہ کا قانونِ صرفی کے خلاف ہونا۔ جیسے ”الْحَمْدُ لِلَّهِ الْعَلِيِّ الْإِجْلَالِ“ تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو بلند و بالا اور جلال والا ہے۔

وضاحت ::::: قیاس کا تقاضہ تو یہ تھا کہ یہاں ’اَجَل‘ ہونا چاہیے تھا کیونکہ صرفی قانون ہے کہ جہاں دو ہم جنس حروف جمع ہو جائیں تو ایک کا دوسرے میں ادغام کر دیا جاتا ہے مگر یہاں ضرورتِ شعری کی وجہ سے قیاس کے خلاف ”اَجَلْ“ لائیں تو یہ کلمہ فصیح نہیں ہوگا۔

س:04::: فصاحت فی الکلام کی تعریف کرتے ہوئے ضعفِ تالیف اور تنافر کلمات کی تعریف بیان فرمائیں:

ج:04::: فصاحت فی الکلام کی تعریف:

کلام کا ضعفِ تالیف، تنافر کلمات اور تعقید سے خالی ہونا اسکے ساتھ ساتھ اس کلام کے تمام کلمات فصیح بھی ہوں۔

➤ ضعفِ تالیف کی تعریف:

کلام کا مشہور نحوی قانون کے خلاف ہونا۔ جیسے ضَرَبَ غُلَامٌ زَيْدًا

اس مثال میں غلام کی ضمیر کا مرجع ”زید“ اور مرجع کا مقدم ہونا ضروری ہے جبکہ یہاں مرجع مؤخر ہے تو لہذا یہ کلام مشہور نحوی قانون کے خلاف ہے اس لیے یہ کلام فصیح نہیں۔

تنافر کلمات کی تعریف:

کلام کے تمام حروف مجتمع ہو کر زبان پر ثقیل ہوں اگرچہ ان کلمات میں سے ہر ہر کلمہ اپنی جگہ پر فصیح ہو۔ جیسے ”لِيسَ قُربَ قُبرِ حربٍ قُبرٌ“ یعنی حرب کی قبر کے قریب کوئی قبر نہیں۔

س 05: تعقید کی کتنی اور کون کونسی اقسام ہیں؟ یہ بیان فرماتے ہوئے اس کے اقسام کی تعریفات مع امثلہ بیان فرمائیں:

ج: تعقید کی تعریف:

کلام کا ایسا پیچیدہ ہونا کہ کلام معنی مرادی پر ظاہر الدلالة نہ ہو۔

تعقید کی دو قسمیں ہیں:

[۱] تعقید لفظی ----- [۲] تعقید معنوی

۱ / تعقید لفظی کی تعریف:

تعقید لفظی یہ ہے کہ نظم کلام یعنی ترکیب کلام میں خلل واقع ہونے کی وجہ سے کلام معنی

مرادی پر ظاہر الدلالة نہ رہے۔

ترکیب کلام میں خلل واقع ہونے کے مختلف اسباب ہیں:

ترکیب میں خلل یا تو تقدیم و تاخیر کی وجہ سے ہوگا یا حذف کی وجہ سے ہوگا یا مبتداء و خبر، موصوف، صفت، بدل، مبدل منہ وغیرہ میں فعل کی وجہ ہوگا۔ الغرض ہر وہ چیز جسکی وجہ سے مراد کا سمجھنا دشوار ہو اور وہ منظم کلام سے متعلق ہو تو اسے تعقید

لفظی کہتے ہیں۔ جیسے ”فرزدق“ کا یہ شعر حشام کے ماموں کے بارے میں

ما مثله في الناس الا مملكا

ابو أمّ حى ابوہ يقاربه

ترجمہ ::::: [لوگوں میں اسکی مثل کوئی زندہ نہیں سوائے ملک کے کہ اسکی ماں کا باپ اسکا باپ ہے لوگوں میں اسکی مثل کوئی زندہ نہیں جو فضائل میں اسکے قریب ہو۔]

وضاحت ::::: اس مثال میں ابو امة مبتداء اور ابوہ خبر کے درمیان ”حی“ کا فصل ہے۔ اسی طرح حی موصوف ہے اور یقارہ صفت کے درمیان ”ابوہ“ کا فصل ہے۔ اسی طرح مستثنیٰ منہ حی پر مستثنیٰ ملک کیا گیا اگر اسی ترکیب کے ساتھ شعر کا ترجمہ کیا جائے تو کچھ سمجھ نہیں آئے گا لہذا ان امور کی وجہ سے کلام میں تعقید پیدا ہو گئی۔

۲ / تعقید معنوی کی تعریف ::

تعقید معنوی یہ ہے کہ اشغال کلام یعنی معنی حقیقی سے معنی مجازی کی طرف ذہن منتقل کرنے میں خلل واقع ہوگا یعنی متکلم ایسا کلام کرے کہ معنی حقیقی مقصود نہ ہو بلکہ معنی مجازی مقصود ہو لیکن کسی خلل کی وجہ سے سامع کا ذہن اس تک منتقل نہ ہوتا ہو۔ جیسے

سَأَطْلُبُ بَعْدَ الدَّارِ عَنْكُمْ لِتَقْرُبُوا

وَتَسْكُبُ عَيْنَايَ الدَّمُوعَ لِتَجْمُدَا

ترجمہ ::::: میں تم سے گھر کی دوری طلب کرتا ہوں تاکہ تم قریب ہو جاؤ اور میری آنکھیں آنسو بہا رہی ہیں تاکہ وہ جم جائے۔

وضاحت ::::: اس شعر میں سکب دموع یعنی آنسو بہانا اس سے رنج و غم مراد لیا گیا ہے جو کہ محبوب کی جدائی کے وقت حاصل ہوتا ہے یہ بالکل درست ہے کیونکہ سکب دموع بول کر رنج و ملال سے کنایہ کرنا بالکل ظاہر ہے لیکن! جمود العین (آنسوؤں کے جم جانے) سے فرحت اور مسرت مراد لینا درست نہیں کیونکہ جمود العین سے بخل دموع کی طرف کنایہ کیا جاتا ہے ناکہ فرحت اور سرور کی طرف لہذا انتقال کلام یعنی معنی حقیقی سے معنی مجازی کی طرف ذہن منتقل کرنے میں خلل واقع ہوگا اور یہی تعقید معنی ہے۔

درجہ ثالثہ (مکی)

۱ [طرفِ اعلیٰ کی تعریف ::::: کلام کا اعجاز یا اسکے قریب قریب ہونا۔ یعنی کلامِ بلاغت کے ایسے اعلیٰ رتبہ میں فائز ہو کہ دوسرے لوگ اس طرح کا کلام کرنے اور اسکی مثل لانے سے عاجز ہوں۔ جیسے قرآن

۲ [طرفِ اسفل ::::: کلام کا بلاغت کے اس مرتبہ میں ہونا کہ اگر کلام کو اس سے نیچے اتارا جائے تو وہ اہل بلاغت کے نزدیک حیوان کی آواز سے مل جائے اگرچہ اسکی ترکیب صحیح ہو مگر اس میں لطائف اور اصل معنی کا اعتبار نہ کیا ہو۔

س ::::: 09 ::::: بلاغتِ متکلم کی تعریف بیان کریں:

ج ::::: بلاغتِ متکلم کی تعریف:

کلام میں ایک ایسا ملکہ ہے کہ جسکی وجہ سے متکلم کلامِ بلیغ کے بنانے پر قادر ہو جاتا ہے۔

س ::::: 10 ::::: بلاغت کے مرجع بیان کریں:

ج ::::: بلاغت کے مرجع دو چیزیں ہیں یعنی بلاغت کیلئے جسکا حاصل کرنا ضروری ہے تاکہ بلاغتِ کلام کا حصول ہو جائے۔

۱ [معنی مرادی کی ادائیگی میں خطاء سے بچنا۔

۲ [کلام فصیح کو غیر فصیح سے تمیز دینا۔

اس میں سے جو دوسری ہے اسے علمِ متن لغت سے غرابت کو جانا جاتا ہے علمِ صرف سے مخالفتِ قیاس، علمِ نحو سے ضعفِ تالیف کو اور تعقیدِ لفظی کو جس یا زوقِ سلیم کے ذریعے تنافرِ حروف اور تنافرِ کلمات کو جانا جاتا ہے لیکن یاد رہے کہ تعقیدِ معنوی اسے علوم مذکورہ کے ذریعے نہیں جانا تا بلکہ تعقیدِ معنوی کو علمِ بیان کے ذریعے جانا جاتا ہے۔ اور مرجعِ اول یعنی معنی مرادی میں خطاء سے بچنا اسے علمِ المعانی کے ذریعے جانا جاتا ہے۔ اور وہ علم جسکے ذریعے وجوہ تحسین کو جانا جاتا ہے اسے علمِ البدیع کہتے ہیں۔

{ الفن الاول فى العلم المعانى }

س:11: علم معانی کی تعریف بیان کرتے ہوئے اسکی اقسام بیان کریں نیز انکی اقسام کے درمیان وجہ حصر بھی بیان فرمائیں:

ج: علم معانی کی تعریف:

وہ علم جسکے ذریعے عربی لفظ کے ان احوال کو جاناجاتا ہے جن احوال کے ذریعے لفظ مقتضیٰ حال کے مطابق ہو جائے۔

علم معانی اقسام

علم معانی آٹھ ابواب پر مشتمل ہے

1. احوال اسنادِ خبری
2. احوالِ مسند الیہ
3. احوالِ مسند
4. احوالِ متعلقاتِ فعل
5. قصر
6. انشاء
7. فصل و وصل
8. ایجاز، اطناب، مساوات

ابوابِ ثمانیہ کی وجہ حصر

ہر کلام دو حال سے خالی نہیں ہوگا کیونکہ نسبتِ کلامیہ نسبتِ خارجیہ کے مطابق ہوگی یا نہیں ہوگی یا پھر اسکے لئے نسبتِ خارجیہ ہی نہیں ہوگی ثانی ہے تو انشاء جو چھٹا باب ہے اور اول ہے تو خبر۔ خبر کیلئے مسند، مسند الیہ اور اسناد ہوتی ہے اگر اسناد ہے تو باب اول، مسند الیہ ہے تو باب ثانی اور مسند ہے تو باب ثالث۔ اور مسند اگر فعل یا معنی فعل [مصدر، اسم فاعل، اسم مفعول وغیرہ] ہو تو اسکے لئے متعلقاتِ فعل ہے اور یہ باب رابع ہے۔ اسناد اور تعلق میں سے ہر ایک قصر کے ساتھ ہوگا یا نہیں ہوگا

اگر قصر کے ساتھ ہے تو بابِ خامس۔ اور ہر وہ جملہ جو دوسرے جملہ کے ساتھ ملا ہوا ہو یا تو ان میں عطف ہو گا یا نہیں ہو گا اگر عطف ہے تو وصل اور نہیں ہے تو فصل اور فصل و وصل یہ بابِ سابع ہے۔ کلامِ بلیغ کسی فائدہ کی وجہ سے اصلِ مراد پر زائد ہو گا یا نہیں ہو گا اگر زائد ہے تو اطناب اور اگر زائد نہیں ہے تو ایجاز اور مساوات ہے اور یہ تینوں یعنی ایجاز، اطناب اور مساوات بابِ ثامن ہیں۔

س: 12: صدقِ خبر اور کذبِ خبر کی تعریف بیان فرمائیں:

ج: صدق و خبر: خبر کا واقع کے مطابق ہونا یعنی نسبتِ کلامیہ کا نسبتِ خارجیہ کے مطابق ہونا۔

کذب و خبر: خبر کا واقع کے مطابق نہ ہونا یعنی نسبتِ کلامیہ کا نسبتِ خارجیہ کے مطابق نہ ہونا۔

س: 13: نظامِ معتزلی کے نزدیک صدقِ خبر اور کذبِ خبر کی کیا تعریف ہے؟ مع الدلیل و رد بیان فرمائیں:

ج: نظامِ معتزلی کا موقف:

نظامِ معتزلی کے نزدیک صدق و خبر یہ ہے کہ حکمِ خبر اعتقادِ مخبر کے مطابق ہو یعنی نسبتِ کلامیہ اس نسبت کے مطابق ہو جس کا مخبر اعتقاد رکھتا ہو۔ اب خواہ یہ نسبتِ معتقدہ صحیح ہو یعنی نفس الامر کے مطابق ہو یا صحیح نہ ہو یعنی نفس الامر کے مطابق نہ ہو۔

نظامِ معتزلی کی دلیل:

”اذا جاءكَ الْمُتَفِقُونَ قَالُوا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُولُ اللّٰهِ- وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُولُهُ- وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اَنَّ الْمُتَفِقُونَ لَكَذِبُونَ“

[جب منافقین آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوتے ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ بیشک آپ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ بیشک منافقین جھوٹے

ہیں]

یہ بات فی الواقع صحیح اور صادق ہے مگر چونکہ منافقین کے اعتقاد کے مطابق آپ ﷺ اللہ کے رسول نہ تھے اس لئے ”انک لرسولہ“ میں کاذب بتایا گیا۔

معلوم ہوا کہ خبر کا صادق و کاذب ہونے کا دار و مدار مطابقت للواقع اور عدم مطابقت للواقع ہے۔

نظام معتزلی کو جواب

مصنف علیہ الرحمۃ نے نظام معتزلی کا رد کرتے ہوئے اسکے تین جواب دیے ہیں:

1. اللہ تعالیٰ نے ان کو مشہور بہ کے اعتبار سے جھوٹا نہیں کہا بلکہ شہادت کے اعتبار سے جھوٹا کہا ہے یعنی یہ جو کہہ رہے ہیں کہ ہم دل سے رسالت کی گواہی دیتے ہیں اس میں یہ جھوٹے ہیں اور یہ بات کہ یہ لوگ دل سے گواہی دے رہے ہیں یہ ہمیں انکے کلام سے پتا چلا کیونکہ انہوں نے اپنے کلام کو ”اِنَّ، لا“ میں تاکید اور جملہ اسمیہ لا کر مؤکد کیا اور تاکید کا یہی مطلب ہوتا ہے کہ وہ دل کی گہرائیوں سے گواہی دینے کی اطلاع دے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ لوگ گواہی دینے میں جھوٹے ہیں۔

2. ہمیں یہ تسلیم ہی نہیں کہ منافقین کی تکذیب ”انک لرسول اللہ“ میں کی گئی بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ قول ”انک لرسول اللہ“ کو شہادت سے موصوم کیا گیا ہے۔ کیونکہ شہادت نام ہے آدمی کے قول کا اعتقاد کے مطابق ہونے کا کیونکہ انکا قول اعتقاد کے مطابق نہ تھا اس لیے یہ گواہی نہیں ہے لہذا یہ لوگ گواہی دینے میں جھوٹے ہیں۔

3. پہلے دو جواب شہادت کی طرف لوٹ رہے ہیں اور تیسرا جواب مشہور بہ کی طرف لوٹ رہا ہے یعنی کہ جسکے ساتھ تشبیہ دی اس میں جھوٹے ہیں اور جسکے ساتھ گواہی دیتے ہیں وہ ”انک لرسول اللہ“ ہے۔

اعتقاد کی دو قسمیں ہیں:

[۱] اعتقادِ زعمی [۲] اعتقادِ نفس الامر

یہ لوگ اعتقادِ نفس الامر میں تو سچے تھے مگر اعتقادِ زعمی میں جھوٹے تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”ان المنفقون لکذبون“۔

س:14:.....:بحاظر کے نزدیک صدق و کذب کی کیا تعریف ہے؟ مع الدلیل و رد بیان فرمائیں:

ج:.....:جاظ نے صدق و کذب کی تعریف میں مطابقت واقع اور مطابقت اعتقاد کا اعتبار کیا ہے یعنی صدق تو یہ ہے کہ جو واقع کے بھی مطابق ہو اور اعتقاد کے بھی مطابق ہو اور کذب یہ ہے کہ جو واقع اور اعتقاد دونوں کے مطابق نہ ہو۔ ان دو صورتوں کے علاوہ چار صورتیں ایسی ہیں جو نہ صادق ہیں اور نہ ہی کاذب بلکہ ان دونوں کے درمیان واسطہ ہے۔

1. خبر واقع کے مطابق ہو مگر! مخبر کو یہ اعتقاد ہو کہ خبر واقع کے مطابق نہیں ہے۔
2. خبر واقع کے مطابق ہو مگر! مخبر کو سرے سے ہی یہ اعتقاد نہ ہو نہ مطابقت کا اور نہ عدم مطابقت کا۔
3. خبر واقع کے مطابق نہ ہو مگر! مخبر کو یہ اعتقاد ہو کہ خبر واقع کے مطابق ہے۔
4. خبر واقع کے مطابق نہ ہو مگر! مخبر کو نہ مطابقت کا اور نہ عدم مطابقت کا اعتقاد ہو۔

جاظ کی دلیل

”أَفْتَرَى عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَمْ بِهِ جِنَّةٌ“

[وہ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں یا انکے ساتھ جنون ہے]

مشرکین نے آپ کی تمام خبروں کو جو آپ حشر و نشر کے بارے میں دیتے ہیں ان کو دوا میں منحصر کیا ہے۔

[۱] افتری (کذب)۔ ----- [۲] بحالت جنون خبر دینا

یعنی مشرکین کہتے ہیں کہ آپ حشر و نشر کے بارے میں جھوٹ بول رہے ہیں یا آپ کو جنون یعنی آپ حالت جنون میں ایسی بات کہہ رہے ہیں ان دونوں حالتوں میں سے ایک حالت ضرور ہے۔ اور دوسری حالت یعنی حالت جنون میں خبر دینا یہ کاذب نہیں ہو سکتا کیونکہ دوسری صورت یہ پہلی صورت ”افتری“ یعنی کذب کی قسم ہے کیونکہ معنی یہ ہیں کہ یا تو انہوں نے جھوٹ بولا یا ان کے ساتھ جنون ہے۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ ایک شے کی قسم اس کا غیر ہوا کرتی ہے اور نتیجہ یہ نکلا کہ حالت جنون میں خبر دینا یہ کذب نہیں اور صدق بھی نہیں کیونکہ مشرکین بات کے سچے ہونے کا اعتقاد نہیں رکھتے تھے تو جب اہل زبان کے نزدیک حالت جنون میں خبر دینا کاذب ہے اور نا ہی صادق تو لا محالہ خبروں میں سے ایک خبر ایسی ہوتی ہے کہ جو نہ صادق ہوتی ہے اور نہ ہی کاذب تو لہذا ان دونوں کے درمیان واسطہ ثابت ہو گیا۔

جاہظ کی دلیل کا جواب

ہم یہ تسلیم ہی نہیں کرتے کہ حالت جنون میں خبر دینا واسطہ ہے بلکہ ”ام بہ جنتہ“ کا معنی ہے ”ام لم یفتري“ پس اس صورت میں حاصل معنی یہ ہونگے ”أَقْصَدَ فِي الْكَذِبِ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا ام لم يَقْصُدْ“ اس لیے یہ خبریں آپ سے حالت جنون میں ثابت ہوئیں اور مجنون کا کوئی ارادہ نہیں ہوتا پس مشرکین کی مراد یہ تھی کہ آپ کی خبریں کسی بھی حالت میں اللہ کی طرف سے نہ تھیں یا تو آپ قصداً جھوٹ بول رہے ہیں یا آپ سے بلا ارادہ یہ بات صادر ہو رہی ہے۔

کذبِ عمدی کو ”إفتراى“ سے تعبیر کیا ہے اور کذبِ غیرِ عمدی کو ”جنتہ“ سے تعبیر کیا ہے تو لہذا ایسی کوئی خبر نہیں ہوتی جو ناصداق ہو اور ناکاذب۔

س: 15::: فائدة الخبر اور لازم فائدة الخبر کی تعریف مع امثله بیان فرمائیں:

ج: 15::: مخبر کا ارادہ اپنی خبر سے کبھی تو مخاطب کو فائدہ پہنچانا ہوتا ہے اور کبھی مخبر کا ارادہ یہ ہوتا ہے کہ وہ مخاطب کو یہ بات بتائے کہ وہ بھی یہ بات جانتا ہے۔ اس میں اور کو ”فائدة الخبر“ اور ثانی کو ”لازم فائدة الخبر“ کہتے ہیں۔

کبھی فائدہ الخبر اور لازم فائدہ الخبر کے عالم کو اپنے علم پر عمل نہ کرنے کے سبب جاہل کے مرتبہ میں اتار کر کلام کیا جاتا ہے۔ جیسے نماز کو چھوڑنے والے عالم کو کہتے ہیں ”الصلاة واجبة“۔

جب کبھی مخبر کا ارادہ اپنی خبر سے مخاطب کو فائدہ دینے کا ہو گا تو ترکیب کلام پر بقدر حاجت اکتفاء کیا جائیگا اگر مخاطب حکم اور تردّد فی الحکم سے خالی الذہن ہو تو حکم کیلئے تاکید لانے کی کوئی حاجت نہیں اور اگر مخاطب متردد فی الحکم ہو تو اس صورت میں تاکید لانا بہتر ہے اور اگر مخاطب انکاری ہو تو جس درجہ کا انکار ہے اس درجہ کی تاکید لانا واجب ہے۔ اس میں اول کو ابتدائی، ثانی کو طلبی اور ثالث کو انکاری کہتے ہیں۔

س: 16::: مقتضاء ظاہر کے خلاف کلام کو لانے کی صورتیں بیان کریں؟

ج: 16::: بہت سے مقامات پر مخبر اپنے مخاطب غیر مسائل کو مسائل بنا کر یعنی غیر متردد کو متردد بنا کر جس طرح متردد سے بات کی جاتی ہے اس طرح اس سے بھی کلام مؤکد کے ساتھ کلام کرے اسکے لیے ضروری ہے کہ اسکے کلام کی ابتداء میں کوئی ایسا جملہ ذکر کرے جس سے مخاطب کا ذہن فوری طور پر بات سننے کا منتظر ہو جائے جیسے اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام

سے ارشاد فرمایا: ”وَلَا تُخَاطِبُنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا إِنَّهُمْ مُغْرَقُونَ“ مجھ سے ان لوگوں کے بارے میں سوال نہ کرو جنہوں نے ظلم کی بیشک وہ غرق کیے جائیں گے۔

یہاں مطلقاً بات کرنے سے منع نہیں کیا بلکہ مراد یہ ہے کہ ان سے عذاب دور کرنے کی سفارش نہ کرنا یہ کلام اس بات کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ قوم نوح پر کوئی عذاب آنے والا ہے پھر فرمایا ”وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا“ ہماری نگرانی میں کشتی تیار کرو یہ کلام اس بات کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ عذاب پانی میں ڈوبنے کا آئینا تو اب حضرت نوح علیہ السلام جو کہ غیر متردد تھے ان کو متردد کے مرتبہ میں اتار کر ان کے سامنے کلام مؤکد پیش کیا۔

کبھی غیر منکر کو منکر کے مرتبہ میں اتار کر کلام کیا جاتا ہے یعنی اگر کوئی شخص منکر نہ ہو مگر اس پر کچھ علامات انکار ظاہر ہو تو اس کو منکر کے مرتبہ میں اتار لیا جائے اور اس کے سامنے ایسا کلام پیش کیا جائے جیسا منکر کے سامنے کیا جاتا ہے یعنی تاکید لانا واجب ہوتا ہے جیسا کہ ”جاء شقيق عارضا زحمة“، ان بنی عمک فیہم رماح“ شقیق آیا اس حلا میں کہ اس نے چوڑائی میں نیزہ لٹکایا ہوا ہے بیشک تیرے چچا کے بیٹوں کے پاس اسلحہ ہے۔

وضاحت ::::::::::: وہ اگرچہ اپنے چچا کے بیٹوں کے پاس اسلحہ کے ہونے کا منکر نہیں مگر اسکی حالت بتا رہی ہے کہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ ان کے پاس اسلحہ نہیں اس بات کو سامنے رکھتے ہوئے ”ان بنی عمک“ میں کلام کو مؤکد لایا گیا اس شعر میں شاعر نے غیر منکر کو منکر کے مرتبہ میں اتار کر کلام کو مؤکد پیش کیا۔

کبھی منکر کو غیر منکر بنا کر اس سے کلام کرتے وقت بغیر تاکیدات کے کلام کرتے ہیں یہ اس وقت ہوتا ہے کہ جب مخاطب کے پاس ایسے دلائل و شواہد ہوں کہ وہ اگر اس میں غور و فکر کرے تو اسکا انکار ختم ہو جائے اور وہ اپنے شک سے بار آجائے۔

س 17 ::::::::::: ”هكذا اعتبارات النفی“ سے کیا مراد ہے؟

ج ::::::::::: جو اعتبارات مذکورہ یعنی ابتدائی، طلبی اور انکاری کلام مثبت میں جاری ہوتے ہیں اسی طرح کلام منفی میں بھی جاری ہوتے ہیں۔ نفی کی صورت میں مخاطب خالی الذہن ہو تو کلام کو بغیر تاکیدات کے لایا جاتا ہے۔ جیسے ”مازید شاعر“ اگر مخاطب متردد ہو تو کلام کو تاکید کے ساتھ لانا منفی کی صورت میں بھی مستحسن ہے۔ جیسے ”مازید بشاعر“ اگر مخاطب منکر ہو تو نفی کی صورت میں بھی بحسب الانکار تاکید لانا واجب ہے۔ جیسے ”واللہ ما زید بشاعر“۔

س: 18:: اسناد کی کتنی اور کون کونسی قسمیں ہیں؟ نیز مجازِ عفتلی کے علاقہ بیان فرمائیں:

ج.....: اسناد کی دو قسمیں ہیں: [۱] حقیقتِ عقلی ----- [۲] مجازِ عقلی

۱/ حقیقتِ عقلی کی تعریف ::::: وہ فعل یا معنی فعل کی نسبت کرنا اس چیز کی طرف کہ وہ فعل یا معنی فعل

اس شے کیلئے ہے متکلم کے نزدیک اس میں جو ظاہری معنی سے سمجھا جاتا ہے۔ جیسے ”صَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا“ اور ”صُرِبَ عَمْرًا“ اول میں فعل کی نسبت فاعل کی طرف کرنا اور ثانی میں فعل کی نسبت مفعول کی طرف کرنا یہ اسنادِ حقیقی ہے کیونکہ ضاربیت زید کیلئے اور مضرویت عمر کیلئے ثابت ہے مصنف کے قول ”ماہو“ سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ فعل یا معنی فعل واقع میں بھی ثابت ہو اعتقادِ متکلم میں بھی ثابت ہو یعنی واقع اور اعتقاد کے مطابق ہو لیکن جو چیز واقع کے مطابق نہ ہو مگر! اعتقاد کے مطابق ہو وہ اس میں داخل نہیں جیسے جاہل کا قول ”أُبَدَّتِ الرَّيْعُ الْبَقْلُ“ یعنی موسمِ ربیع نے سبزہ اگایا۔

۲ / مجازِ عقلی کی تعریف ::::::::::: فعل یا معنی فعل کی اسناد اس چیز کی طرف کرنا جو فعل یا معنی فعل کے ملابس (مشابھ) ہو اور وہ ملابس اس چیز کا غیر ہو جس کے لیے وہ فعل یا معنی فعل ہے ظاہر میں متکلم کے نزدیک کسی علاقہ کی وجہ سے یعنی بنی للفاعل میں فاعل مسند الیہ ہوگا اور بنی للمفعول میں مفعول مسند الیہ ہوگا تو وہ اسناد حقیقی ہوگی ناکہ مجازی۔ اور اسکے بہت سے علاقہ ہیں:

مجازی عقلی کے علاقے

فعل فاعل کا بھی مشابہ بنتا ہے، مفعول کا بھی، زمان و مکان کا بھی اور سبب کا بھی جیسے ”عِشَّةٌ رَاضِيَةٌ“ یہ مبنی للفاعل کی مفعول کی طرف اسناد ہے۔ ”راضِيَةٌ“ اسم فاعل کا صیغہ ہے اور اسم فاعل فعل معروف کے حکم میں ہوتا ہے اور ”راضِيَةٌ“ اسکی اسناد اسکی ضمیر کی طرف کیجو اس میں مستتر ہے اور اس ضمیر کا مرجع ”عِشَّةٌ“ مفعول بہ ہے تو معنی یہ ہوا راضی رہنے والی زندگی حالانکہ زندگی راضی رہنے والی نہیں ہوتی بلکہ صاحب العیشۃ (زندگی گزارنے والا) ہوتا ہے تو یہاں مبنی للفاعل کی اسناد بجائے فاعل کے مفعول کی طرف کی جو کہ مجاز ہے۔

سَبِيلٌ مُفْعَمٌ

بھرا ہوا سیلابیہ اصل میں یوں تھا ”افعم السیل الوادی“ یعنی سیلاب نے وادی کو بھر دیا مگر! ”سیل مفعم“ کی نسبت میں بھرنے کی نسبت ”سیل“ کی طرف کر دی گئی حالانکہ سیل کو بھرا نہیں جاتا بلکہ سیل تو خود بھرنے والا ہوتا ہے۔ تو یہ اسناد

مفعول کی طرف ہونی چاہیے تھی مگر! اسناد فاعل کی طرف کردی کیونکہ سئل ”مفعلم“ نہیں بلکہ ”مفعلم“ ہوتا ہے تو یہاں سئل کی طرف نسبت کرنا حقیقی نہیں بلکہ مجازی ہوئی۔

شعر شاعر

ایسا شعر جو کہ شاعر ہے۔ اس مثال میں بنی للفاعل کی نسبت مصدر کی طرف کردی گئی اس میں شاعر اسم فاعل اور اسم فاعل یہ بنی للفاعل اور فعل معروف کے حکم میں ہوتا ہے اور اسکی اسناد اسکی ضمیر کی طرف کی گئی ہے جو ”شاعر“ میں مستتر ہے اور شعر مصدر کے طرف راجع ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ فعل شاعر کا فاعل حقیقی آدمی ہوتا ہے ناکہ شعر مصدر حق تو یہ تھا کہ اسناد فاعل کی طرف کی جاتی بجائے فاعل کے اسکی اسناد مصدر کی طرف کردی گئی جو کہ مجازی ہے۔

س 19: کافر کا قول ”أَنْبَتَ الرَّبِيعُ الْبَقْلَ“ کا کیا حکم ہے؟

ج: کافر کا قول ”أَنْبَتَ الرَّبِيعُ الْبَقْلَ“ کو مجاز کی تعریف سے خارج کرنے کیلئے اب دیکھیں گے کہ فعل یا معنی فعل کی اسناد ”الی غیر ما هو لہ“ کی طرف ہو تو دیکھیں گے کہ کوئی قرینہ موجود ہے یا نہیں اگر قرینہ موجود ہو تو مجاز کہا جائیگا اگر نہ ہو تو حقیقت کہا جائیگا۔ جیسے أَشَابَ الصَّغِيرَ وَأَفْنَى الْكَبِيرَ كَرَّ الْغَدَاةِ وَ مَرُّ الْعَشَى۔

(بچے کو بوڑھا اور بوڑھے کو فناء کر دیا صبح و شام کے آنے جانے نے) اس شعر میں ”اشاب“ اور ”افنى“ کی اسناد ”کر الغداة و مر العشى“ کی طرف ہے جبکہ صبح کا آنا اور شام کا گزر جانا یہ کسی کو بوڑھا نہیں کرتا بلکہ اللہ تعالیٰ ہی انسان کو بوڑھا اور جوان کرتا ہے۔ اس معنی حقیقی پر دلالت کرنے والا کوئی قرینہ موجود نہیں تو لہذا اس کو حقیقت کہا جائیگا۔

اس شعر کے دو احتمالات ہو سکتے ہیں:

۱] اس شعر کا قائل اسکے ظاہر کا اعتقاد رکھتا ہے تو پھر یہ کافر کے قول ”أَنْبَتَ الرَّبِيعُ الْبَقْلَ“ کی طرح ہوگا اس صورت میں اسناد الی غیر ما هو لہ نہ ہونے کی وجہ سے حقیقت عقلیہ ہوئی۔

۲] اگر یہ معلوم ہو جائے کہ اس شعر کا قائل کافر ہے مؤمن نہیں تو اس نے اسناد سے ظاہر کا قصد نہیں کیا بلکہ وہ ان دونوں افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہی کو سمجھتا ہے اور اس نے ظاہر مشابہت کی وجہ سے اس افعال کی نسبت ”کر الغداة و مر العشى“

کی طرف کردی تو اس صورت میں مؤمن کی یہ حالت اس بات پر قرینہ بن جائیگی کہ اس اسناد سے اسکا ظاہری معنی مراد نہیں اس لیے اس کو مجاز پر محمول کیا جائیگا۔

س: 20: مسند الیہ کے حقیقی و مجازی ہونے کے اعتبار سے کتنی قسمیں ہیں؟

ج: مسند اور مسند الیہ کے حقیقی اور مجازی ہونے کے اعتبار سے اسکی چار (۴) قسمیں ہیں:

۱] یا تو دونوں حقیقی ہونگے: جیسے: أَنْبَتَ الرَّبِيعُ الْبَقْلَ (ربیع نے سبزہ اگایا)۔ اب یہاں ”أَنْبَتَ“ اور ”رَبِيعُ“ دونوں اپنے حقیقی معنی میں استعمال ہیں۔

۲] یا تو دونوں مجازی ہونگے۔ جیسے: أَحْيَا الْأَرْضَ شَبَابُ الزَّمَانِ (زمانہ کے شباب نے زمین کو زندہ کر دیا)

۳] یا تو دونوں مختلف ہونگے۔ جیسے: أَنْبَتَ الْبَقْلَ شَبَابُ الزَّمَانِ۔ (زمانہ کے شباب نے سبزہ اگایا)۔ ”أَنْبَتَ“ مسند حقیقت ہے اور ”شباب الزمان“ مسند الیہ مجاز ہے۔

۴] یا اسکا برعکس ہوگا یعنی مسند مجاز اور مسند الیہ حقیقت ہوگا۔ جیسے: ”أَحْيَا الْأَرْضَ الرَّبِيعُ“ ربیع نے زمین کو زندہ کر دیا۔

س: 21: قرینہ کی کتنی صورتیں ہیں؟ نیز قرینہ معنوی کی صورتیں بیان فرمائیں:

ج: قرینہ کی دو قسمیں ہیں: ۱] قرینہ لفظی [۲] قرینہ معنوی

قرینہ لفظی کی مثال گزر چکی۔ قرینہ معنوی کی کچھ صورتیں:

1. جیسے مسند کا مسند الیہ کے ساتھ قیام عقلاً یا عادتاً محال ہو۔

عقلاً کی مثال:..... ”مُجِبُّكَ جَاءَتْ بِی إِلَيْكَ“ مجھے تیری محبت تیرے پاس لے آئی۔

اس مثال میں محبت مسند الیہ ہے اور ”جاءت“ مسند ہے اب ”مَجِئْتُ“ یعنی مسند کا محبت یعنی مسند الیہ کے ساتھ قیام عقلاً محال ہے کیونکہ کسی کی محبت لے کر نہیں آتی بلکہ انسان کے پاؤں لے کر آتے ہیں۔

عادتاً کی مثال:..... ”حَزَمَ الْأَمِيرُ الْجُنْدَ“ امیر نے لشکر کو شکست دی۔

اس مثال میں ”حزم“ کی اسناد امیر کی طرف کی گئی ہے اور ایک امیر کا پورے لشکر کو شکست دینا عادتاً محال ہے لہذا یہ بھی مجاز عقلی ہے اسی طرح کوئی مؤجد ”اشاب الصغیر“ یا اس جیسے کسی فعل کی اسناد زمانہ کی طرف کرے تو اس کا مؤجد ہونا اس بات کا قرینہ ہے کہ یہ اسناد مجاز عقلی ہے اور یہ بھی قرینہ معنوی ہے۔

س ::::: 22 ::::: کیا مجاز عقلی کیلئے فاعل حقیقی کا ہونا ضروری ہے؟

ج ::::: 22 ::::: مجاز عقلی میں فعل یا شبہ فعل کی نسبت فاعل اور مفعول کے علاوہ کی طرف ہوتی ہے لیکن اس فعل یا شبہ فعل کیلئے ایسے فاعل کا ہونا ضروری ہے کہ جسکی طرف اسناد کی جائے تو وہ اسناد حقیقی ہو پھر اس کا فاعل کبھی ظاہر ہوگا کبھی خفی ہوگا یعنی غور و فکر کر کے بات سمجھ آئیگی بغیر غور و فکر کے بات سمجھ نہیں آئیگی اسی وجہ سے یہ ہوتا ہے کہ کبھی فاعل یا مفعول کی طرف جو اسناد مجازی ہوتی ہے وہ زیادہ ہوتی ہے اور فاعل یا مفعول حقیقی کی طرف جو اسناد ہوتی ہے وہ متروک ہوتی ہے تو فاعل حقیقی اور مفعول حقیقی کی طرف اسناد کے متروک ہونے کی وجہ سے فوری طور پر ذہن منتقل نہیں ہو پاتا جسکی وجہ سے غور و فکر کرنا ہوتا ہے۔ جیسے ”فَارَبَّحْتَ تِجَارَتَهُمْ“ [انکی تجارت فائدہ مند نہیں ہوئی] اس مثال میں ”ربحت“ کی اسناد

”تجارت“ کی طرف اسناد مجازی ہے یعنی اسکی تجارت فائدہ مند نہیں ہوئی حالانکہ ”ربح“ کا فاعل حقیقی تاجر ہوتا ہے ناکہ تجارت لیکن چونکہ تجارت نفع کا سبب ہے اس لیے اسکو مسند الیہ بنایا گیا اور عرف عام میں ”ربح“ کی اسناد تاجر کی طرف کی جاتی ہے اس لیے بغیر غور و فکر کے ادنیٰ ذہانت والے شخص پر بھی یہ واضح ہو جاتا ہے کہ اس کا فاعل حقیقی تاجر ہے ناکہ تجارت۔

س ::::: 23 ::::: محباز کے بارے میں علامہ سکا کی کامؤقف اور ہمارا جواب تحریری کریں:

ج ::::: 23 ::::: علامہ سکا کی کامؤقف:

علامہ سکا کی نے مجاز کا انکار کیا ہے وہ یہ کہتے ہیں کہ کلام عرب میں مجاز عقلی کچھ نہیں ہوتا یہ بات کہ مصنف نے جن مثالوں میں مجاز عقلی کو پیش کیا ہے اسے علامہ سکا کی نے استعارہ بالکنایہ میں شمار کیا ہے۔ استعارہ بالکنایہ ہے کہ مشبہ کو ذکر کیا جائے اور مشبہ بہ مراد لیا جائے لہذا ان مثالوں میں فاعل مجازی نہیں بلکہ فاعل حقیقی ہی مراد ہے۔ جیسے: ”اَبَدَّتْ الرِّبْعُ الْبَقْلَ“ اس مثال میں ”ربح“ مشبہ ہے اور قادر و مختار یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ یہ مشبہ بہ ہے مشبہ بہ کو حذف کر کے مشبہ ذکر کیا گیا اور مراد اس سے مشبہ بہ ہی لیا گیا۔

”عَيْشَةُ رَاضِيَةٌ“ یہ ہمارے نزدیک مجازِ عقلی ہے اگر اس مثال کو استعارہ بالکنایہ پر محمول کیا جائے تو ”ظرفِيَةُ الشَّيْءِ لِنَفْسِهِ“ لازم آئیگا وہ اس طرح کہ ”راضیۃ“ اسمِ فاعل ہے جو کہ فاعل چاہتا ہے اور اس کا فاعل اس کی ضمیر ہے جو کہ ”عَيْشَةُ“ کی طرف لوٹ رہی ہے اور یہ فاعل مجازی ہے اور اس کا فاعل حقیقی صاحب العیشۃ ہے اور استعارہ بالکنایہ میں فاعل مجازی سے فاعل حقیقی مراد ہوتا ہے آیت میں ”عیشۃ“ سے صاحب العیشۃ مراد ہی مراد ہوگا اور ”ہو“ ضمیر سے مراد بھی صاحب العیشۃ ہی ہوگا تو اب مطلب یہ ہوگا کہ صاحب العیشۃ صاحب العیشۃ سے راضی رہنے والا ہے اب ظرف اور مظروف دونوں ایک شے ہو گئے اسے ”ظرفِيَةُ الشَّيْءِ لِنَفْسِهِ“ کہتے ہیں۔

يُهَاجِرُ ابْنُ لِي صَرَحًا [اے ہامان تو میرے لیے محل بنا]

یہ مجازِ عقلی ہے اگر اس کو مجازِ عقلی پر محمول کیا جائے تو اس مثال میں بناء اور تعمیر کا حکم ہامان کو نہیں ہوگا کیونکہ استعارہ بالکنایہ ماننے کی صورت میں فاعل حقیقی معمار ہی مراد ہونگے ناکہ فاعل مجازی ہامان حالانکہ اس میں نداء ہامان کو دی گئی ہے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ نداء کسی اور کو دی جائے اور مراد کسی اور کو لیا جائے۔

”انبت الربيع البقل“

اگر اس مثال کو استعارہ بالکنایہ پر محمول کیا جائے تو خرابی یہ لازم آئیگی کہ استعارہ بالکنایہ میں مشبہ ذکر کر کے مشبہ بہ مراد ہوتا ہے اس مثال میں گویا فاعل حقیقی مراد لیا ہے یعنی اللہ عز و جل تو اللہ پر ربیع کا اطلاق ہوگا جبکہ تمام اسمائے باری تعالیٰ توقیفی ہیں یعنی ذاتِ باری تعالیٰ پر ان ہی اسماء کا اطلاق ہوگا کہ جو قرآن و حدیث میں ہو جبکہ ”الربیع“ یہ نا تو قرآن میں ہے اور نا ہی حدیث میں ہے لہذا اس سے ذاتِ باری تعالیٰ مراد لینا درست نہیں۔

س 24 ::::: مسند الیہ کو حذف کرنے کی صورتیں بیان کریں:

ج ::::: حذف مسند الیہ:

1. کبھی مسند الیہ کو عبث سے بچنے کیلئے حذف کر دیتے ہیں اس لیے جو چیز قرینہ سے معلوم ہو سکتی ہے اور مخاطب کے نزدیک بھی ظاہر ہو تو اس کا ذکر بھی عبث [فائدہ سے خالی] خیال کیا جاتا ہے۔

2. کبھی متکلم مسند الیہ کو اس لیے حذف کر دیا جاتا ہے کہ سامع کے ذہن میں یہ بات بٹھا دے کہ اس نے مسند الیہ پر دلالت کرنے والی دود لیلوں میں سے اقوی دلیل کی طرف عدول کیا ہے مسند الیہ پر دلالت کرنے والی دود لیلیں یہ ہیں: [۱] عقل [۲] لفظ

ان دونوں میں سے عقل لفظ سے اقوی دلیل ہے کیونکہ لفظ کی دلالت معنی پر بغیر عقل کے نہیں ہو سکتی جبکہ عقل کی دلالت معنی پر بغیر لفظ کے ہو سکتی ہے۔ جیسے دھویں کی دلالت آگ پر۔ اور ”قال لی کیف انت قلت علی“ یہ اصل میں ”انا علی“ تھا یہاں مسند الیہ کو حذف کر دیا گیا۔

3. کبھی سامع کی سمجھ کا امتحان لینے کی وجہ سے مسند الیہ کو حذف کر دیا جاتا ہے۔ آیا قرینہ دیکھ کر مسند الیہ سمجھتا ہے یا نہیں۔ جیسے ”مُسْتَفَادٌ مِنْ نَوْرِ الشَّمْسِ“ اس کا نور مستفاد ہے۔ سورج کے نور یہ اصل میں ”نور القمر“ مستفادٌ مِنْ نَوْرِ الشَّمْسِ“ ہے۔

4. کبھی مسند الیہ کو اس لیے حذف کر دیا جاتا ہے کہ اس سے سامع کی سمجھ کی آزمائش مقصود ہوتی ہے اس لیے مسند الیہ کو حذف کر کے اس بات کا امتحان لینا چاہتا ہے کہ آیا قرائن خفیہ سے اسے سمجھ سکتا ہے یا نہیں۔

5. مسند الیہ کو اس لیے حذف کر دیا جاتا ہے کہ متکلم مسند الیہ کو متنا عظیم جانتا ہے کہ وہ اپنی زبان سے اس کے ذکر کے قابل ہی نہیں سمجھتا۔

6. مسند الیہ کو اس لیے حذف کیا جاتا ہے کہ متکلم مسند الیہ کو حقیر جانتا ہے۔

7. مسند الیہ کو اس لیے حذف کیا جاتا ہے کہ ضرورت پڑنے پر انکار کیا جاسکے۔

8. مسند الیہ کے متعین ہونے کی وجہ سے اسے حذف کر دیا جاتا ہے۔ ”خالق کل شیء“

9. کبھی مسند الیہ متعین تو نہیں ہوتا لیکن متکلم اسے اپنے ذہن میں اسے متعین خیال کرتا ہے۔ جیسے ”وہاب الالوف“ ہزاروں دینے والا یہ بادشاہ بھی ہو سکتا ہے اور اسکے علاوہ بھی۔

س 25: مسند الیہ کو ذکر کرنے کی صورتیں بیان کریں:

ج: ذکر مسند الیہ:

1. مسند الیہ کو اس لیے ذکر کرتے ہیں کیونکہ ذکر اصل ہے جب تک ذکر سے عدول کرنے کی وجہ نہ ہو تب تک عدول بھی نہیں کیا جائے گا۔
2. کبھی مسند الیہ کو اس لیے ذکر کرتے ہیں کہ اس بات کا بھروسہ کم ہوتا ہے کہ سامع قرینہ سے مسند الیہ سمجھ پائیگا۔
3. کبھی ذکر سامع کے ذہن کی کسب ذہنی کی وجہ سے ہوتا ہے۔
4. کبھی سامع کے ذہن میں خوب واضح اور پکا کرنے کیلئے ذکر کیا جاتا ہے۔
5. کبھی اظہارِ تعظیم کیلئے ذکر کیا جاتا ہے۔ جیسے ”ہل امیر المؤمنین حاضر“ فقط حاضر کہنا کافی تھا مگر ”امیر المؤمنین“ کو تعظیم کیلئے لیکر آئیں۔
6. کبھی اہانت کیلئے ذکر کیا جاتا ہے۔ جیسے کسی نے کہا ”ہل السارق اللئیم حاضر“ [کیا کمینہ چور حاضر ہے] تو جواب میں فقط حاضر کہنا کافی تھا مگر ”السارق اللئیم“ کہہ کر اہانت کا اظہار کیا گیا۔
7. کبھی مسند الیہ کو اس لیے ذکر کرتے ہیں کہ اس کا نام لیکر برکت حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے۔ جیسے ”ہل قال النبی ﷺ“ اسکے جواب میں ”نعم“ کہنا کافی مگر ”نعم قال النبی ﷺ“ کہا برکت حاصل کرنے کیلئے۔
8. کبھی مسند الیہ کو اس لیے ذکر کرتے ہیں کہ اسکے نام سے لذت حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے۔ جیسے ”ہل الحبيب حاضر“ اسکے جواب میں فقط حاضر کہنا کافی تھا مگر ”الحبيب“ کہنا نام سے لذت حاصل کرنے کیلئے۔
9. کبھی مسند الیہ کو اس لیے ذکر کرتے ہیں کہ کلام کو دراز کرنا مقصود ہوتا ہے جس طرف مخاطب کو اپنی طرف کرنا مقصود ہوتا ہے جیسے اللہ کریم نے حضرت موسیٰ [علیہ السلام] سے ارشاد فرمایا ”وما تِلْكَ بِیْمِینِکَ یٰمُوسٰی“ [اے موسیٰ تیرے ہاتھ میں کیا ہے] تو جواب میں فقط ”عصا“ کہنا کافی تھا مگر اپنے عرض کی ”قال ہی عصا“ جیسے ”ولو تریٰ اذ المجرمون ناکسوا رؤسہم عند ربہم“ [اور تم دیکھو گے کہ جب مجرمین اپنے رب کے آگے سر کو جھکائے ہوئے ہوں گے] اس آیت میں تریٰ سے مراد کوئی معین شخص نہیں بلکہ مخاطب اس ضمیر سے ہر وہ شخص ہے جس میں دیکھنے کی صلاحیت موجود ہو۔

س 26::: مسند الیہ کو ضمیر کے ساتھ معرفہ لانے کی صورتیں بیان کریں:

ج::: مسند الیہ کو معرفہ لانا:

اسکی کئی صورتیں ہیں:

1. مسند الیہ کو ضمیر کے ساتھ معرفہ لایا جائے یعنی ضمیر جو کہ معرفہ ہے اسکو مسند الیہ بنایا جائے۔

کلام کے تین مقام ہیں: [۱] مقام متکلم [۲] مقام مخاطب [۳] مقام غیبت

1. اگر مقام متکلم ہے تو ضمیر متکلم کے ساتھ مسند الیہ کو معرفہ لایا جائے۔

2. اگر مقام مخاطب ہے تو ضمیر مخاطب کے ساتھ مسند الیہ کو معرفہ لایا جائے۔

3. اگر مقام غیبت ہے تو تو ضمیر غائب کے ساتھ مسند الیہ کو معرفہ لایا جائے۔

ضمیر مخاطب کیلئے اصل تو یہ ہے کہ اسکا کسی معین شخص کیلئے ہو مگر کبھی کسی غرض کی وجہ سے معین کے ساتھ خطاب کو ترک کر دیا جاتا ہے اور اس خطاب سے غیر معین مراد ہوتا ہے اور کوئی معین مراد نہیں ہوتا۔ جیسے: ”ولو ترى اذا لجرمون“ اس آیت میں تری سے مراد کوئی معین شخص نہیں اس ضمیر کا مخاطب ہر وہ شخص ہے جو دیکھنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔

2. مسند الیہ کو کبھی علم کی صورت میں معرفہ لاتے ہیں تاکہ اسکو بعینہ سامع کے ذہن میں ابتداء حاضر

کر دیں۔ جیسے: ”قل هو الله احد“

3. کبھی تعظیم کیلئے علم کی صورت میں معرفہ لاتے ہیں۔ جیسے: ”الصدیق جاء“

4. کبھی اہانت کیلئے علم کی صورت میں معرفہ لاتے ہیں۔ جیسے: ”ابو جهل مات“

5. کبھی علمیت کے ساتھ اس لیے معرفہ لاتے ہیں کہ اس سے ایسے معنی سے کنایہ کرنا ہوتا ہے جس معنی کی وہ علم

صلاحیت رکھتا ہے۔ جیسے: ”ابو لهب مات“ اس مثال میں ابو لہب سے اسکے اصل معنی سے کنایہ کیا گیا ہے کہ ابو

لہب کا معنی ہے آگ والا تو اسکے اصل معنی سے کنایہ کر کے اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا کہ یہ جہنمی ہے تو اب معنی

یہ ہوگا ”جہنمی المات“۔

6. مسند الیہ کو علمیت کے ساتھ اس لیے معرفہ لایا جاتا ہے کہ اسکے نام سے لذت حاصل ہوتی ہے۔

7. مسند الیہ کو علیت کے ساتھ اس لیے معرفہ لایا جاتا ہے کہ اسکے نام برکت حاصل ہوتی ہے۔

س 27:..... مسند الیہ کو اسم موصول کے ساتھ معرفہ لانے کی صورتیں بیان کریں:

ج:..... مسند الیہ کو اسم موصول کے ساتھ معرفہ لانا:

1. مسند الیہ کو اسم موصول کے ساتھ معرفہ لایا جاتا ہے جبکہ مخاطب کو سوائے مسند الیہ کے ان احوال کا علم نہیں ہوتا جو مسند الیہ کے ساتھ خاص ہیں صرف ایک ہی حال معلوم ہوتا ہے۔ جیسے زید اور عمر کہیں جارہے ہوں اور کوئی تیسرا شخص بھی ہو جسے زید نہیں جانتا اب دوسرے دن عمر زید کے سامنے اس تیسرے شخص کا ذکر کریگا تو یوں کریگا: ”الذی کانَ معنی امس رجلٌ عالمٌ“ [کل جو ہمارے ساتھ تھا وہ عالم مرد تھا] عمر نے اسم موصول کے ساتھ آدمی کا ذکر اس لیے کیا کہ اگر نام کے ساتھ ذکر کرتا تو پتا ہی نہیں چلتا کہ کس آدمی کا ذکر کر رہا ہے۔
2. مسند الیہ کو اسم موصول کے ساتھ معرفہ اس لیے لایا جاتا ہے کیونکہ مسند الیہ کے نام کو برا اور قبیح سمجھا جاتا ہے۔
3. مسند الیہ کو اسم موصول کے ساتھ معرفہ اس لیے لایا جاتا ہے کہ مسند الیہ کی پختگی کی زیادتی مقصود ہوتی ہے۔ جیسے ”التي هو في بيتها عن نفسه“۔

وضاحت:..... یہاں ”التي هو في بيتها“ کی جگہ اس عورت کا نام ذکر کیا جاتا یعنی ”زليخة“ یا ”امراة العزيز“ کو ذکر کیا جاتا تو حضرت یوسف [علیہ السلام] کی پاک دامنی تو معلوم ہو جاتی مگر اس سے پختگی کی زیادتی کا فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔

4. مسند الیہ کو اسم موصول کے ساتھ معرفہ اس لیے لایا جاتا ہے کیونکہ مسند الیہ کی عظمت اور بڑائی بیان کرنا مقصود ہوتا ہے۔ جیسے ”فَعَشِيَهُمْ مِنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ“ [تو انہیں سمندر نے ڈھانپ لیا جو ڈھانپ لیا] یہاں اسم موصول کے ساتھ معرفہ لا کر اس بات کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ پانی اس قدر تھا کہ جسکی تعین ممکن نہیں۔
5. مسند الیہ کو اسم موصول کے ساتھ معرفہ لایا جاتا ہے مخاطب کو خطاب پر تنبیہ کرنے کیلئے۔
6. مسند الیہ کو اسم موصول کے ساتھ معرفہ اس لیے لایا جاتا ہے تاکہ پہلے ہی سے خبر کی نوع کی طرف اشارہ ہوئے کہ خبر کس نوع کی ہے آیا اسکا تعلق مدح سے ہے یا ذم سے، ثواب سے ہے یا عذاب سے۔ جیسے ”ان الذين يستكبرون عن عبادتي سيدخلون جهنم دخرين“ [بیشک جو میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں وہ عنقریب

جہنم میں داخل ہونگے] اس مثال میں الذین اسم موصول ہے اور ”یستکبرون“ اسکا صلہ ہے اور یہ ایسا کلام ہے کہ جو بھی اسے سنے گا اسے یہ بات سمجھ میں آجائے گی کہ اسکی خبر ایسی چیز پر ہوگی جس پر عذاب کا ذکر ہو۔

س 28:: مسند الیہ کو اسم اشارہ کے ساتھ معرفہ لانے کی صورت بیان کریں:

ج:: مسند الیہ کو اسم اشارہ کے ساتھ معرفہ لانا:

1. کبھی مسند الیہ کو اسم اشارہ کے ساتھ معرفہ اس لیے لاتے ہیں کہ کہ مسند الیہ کی کامل تمیز مقصود ہوتی ہے اور اسم اشارہ سے کامل تمیز حاصل ہوتی ہے۔ جیسے ”ہذا ابو سقر فی محاسنہ“ [یہ ابوسقرا اپنے محاسن میں کہتا ہے]
2. کبھی سامع کی سمجھ کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہوتا ہے۔ یعنی وہ اس قدر کم فہم کے کہ بغیر اشارہ کے سمجھ ہی نہیں سکتا۔ جیسے ”اولئک آبائی فجئنی بمثلہم اذا جمعنا یا جریر المجمع“ [یہ میرے آباء ہیں تو تو انکی مثل لے آج ہمیں جمع کر کے اے محافل جریر]۔

3. کبھی مسند الیہ کو اسم اشارہ کے ساتھ معرفہ اس لیے لاتے ہیں کہ مشار الیہ کے قرب و بعد اور توسط کو ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے۔ تینوں درجوں کیلئے اسم اشارہ موضوع ہے اس لیے حسبِ موقع اور ضرورتاً اسم اشارہ استعمال کرتے ہیں۔ جیسے ہذا، ذلک وغیرہ

4. کبھی مسند الیہ کو اسم اشارہ کے ساتھ معرفہ اس لیے لاتے ہیں کہ اسکا قرب بیان کر کے اسکی تحقیر مقصود ہوتی ہے۔ جیسے ”اھذا الذی یرکڑ آلہتکم“

اسم اشارہ بعید لا کر مسند الیہ کی تعظیم مقصود ہوتی ہے۔ جیسے: الم ذالک الکتاب۔

5. کبھی مسند الیہ کو اسم اشارہ کے ساتھ معرفہ اس لیے لاتے ہیں کہ چند اوصاف ذکر کرنے کے بعد یعنی مشار الیہ کے بعد یہ بتانا مقصود ہوتا ہے کہ جو کچھ آگے آرہا ہے وہ اسکا لائق و مستحق ہے۔ جیسے سورۃ بقرۃ کی ابتداء میں فرمایا ”المتقین“ پھر چند اوصاف ذکر کیے ”الذین یؤمنون الی آخرہ۔۔۔۔۔“ پھر چند اوصاف ذکر کرنے کے بعد یہ بتایا کہ مشار الیہ کیلئے جو کچھ آگے آرہا ہے وہ ان اوصاف کی وجہ اسکا لائق و مستحق ہے۔

س 29:.....: مسند الیہ کو الف لام کے ساتھ معرفہ لانے کی صورتیں بیان کریں:

ج:....: مسند الیہ کو الف لام کے ساتھ معرفہ لانا:

1. کبھی مسند الیہ کو لام کے ساتھ معرفہ اس لیے لاتے ہیں تاکہ اس کلام کے ذریعے خارج میں موجود چیز کی طرف اشارہ کیا جائے یعنی متکلم و مخاطب کے درمیان جو معین شخص ہے اسکی طرف اشارہ کرنے کیلئے مسند الیہ کو الف لام کے ساتھ معرفہ لاتے ہیں۔ جیسے: ”ولیس الذکر کمالاً نثی“، یعنی وہ لڑکا جسکی عمران کی بیوی نے دعا کی تھی اس لڑکی کی مانند نہیں جو عمران کی بیوی کو عطا کی گئی بلکہ اس بڑھ کر ہے۔

2. کبھی مسند الیہ کو لام کے ساتھ معرفہ لاتے ہیں تاکہ اس لام سے نفس حقیقت یعنی مفہوم مسمیٰ یعنی جو ذہن میں موجود ہے اسکی طرف اشارہ کیا جائے اور ان افراد کا اعتبار نہ کیا جائے جن پر وہ حقیقت ثابت آرہی ہے۔ جیسے: ”الرجلُ خیرٌ من المرأة“ [جنس مرد جنس عورت سے بہتر ہے] اس حقیقت (مرأۃ) سے جو ذہن میں موجود ہے اب اگر بعض انسان جنس مرأۃ کے جنس رجل سے بہتر ہوں تو ”الرجل خیرٌ من المرأة“ کے منافی نہیں ہوگا۔

3. معرف باللام حقیقت کبھی کبھی ایک فرد کیلئے بھی آتا ہے جبکہ وہ معهود فی الذہن ہو یعنی ذہن میں موجود ہو اور خارج میں وہی ایک فرد ہو۔ جیسے کسی شہر میں ایک ہی بازار ہو اور متکلم مخاطب سے یوں کہے ”أَدْخُلِ السُّوقَ“ تو ظاہر ہے کہ یہاں ایک ہی بازار مراد ہوگا مگر اس صورت میں جبکہ کوئی قرینہ موجود ہو جو یہ بتا رہا ہو کہ یہاں نفس حقیقت مراد نہیں کیونکہ حقیقت سوق میں داخل ہونا محال ہے کیونکہ شخص واحد تمام بازاروں میں داخل نہیں ہو سکتا۔ اسے الف لام عہد ذہنی کہتے ہیں۔

4. معرف باللام حقیقت کبھی استغراق کیلئے آتا ہے یعنی جس سے حقیقت میں پائے جانے والے تمام افراد کی طرف اشارہ کیا جائے۔ جیسے ”ان الانسان لفی خسر“ [بیشک تمام انسان ضرور خسارہ میں ہیں]۔

اسکی دو قسمیں ہیں: [۱] حقیقی [۲] عرفی

[۱] حقیقی کی تعریف:

جس سے وہ تمام افراد مراد لیے جائیں جن کو وہ لفظ باعتبار وضع اور لغت کے

شامل ہو۔ جیسے: ”عالم الغیب و الشهادة“ [غائب و حاضر کو جاننے والا]

[۲] عرفی کی تعریف:

وہ الف لام جس میں لفظ باعتبار عرف عام کے تمام افراد کو شامل ہو۔ جیسے: ”جَمَعَ الْأَمِيرُ الصَّاعَةَ“ [امیر نے تمام سوناروں کو جمع کیا] اس سے پوری دنیا کے سونار مراد نہیں کیونکہ عقلاً ایسا کرنا محال ہے بلکہ اس سے عرف عام میں اپنے علاقہ کے سونار مراد ہونگے۔

نوٹ:..... اسم جنس مفرد جس پر حرف استغراق داخل ہو حرف استغراق چاہے حرف تعریف ہو یا اسکے علاوہ جیسے نکرہ پر حرف نفی داخل کرنا تو اس اسم جنس مفرد کا استغراق زیادہ عام اور زیادہ شامل ہوگا افراد میں بنسبت تشنیہ و جمع کے استغراق کے کیونکہ وہ مفرد جس پر حرف نفی داخل ہوتا ہے تو وہ افراد میں سے ہر ایک کو شامل ہوتا ہے۔ اور وہ تشنیہ کہ جس پر حرف استغراق داخل ہو تو وہ افراد میں سے ہر دو کو شامل ہوتا ہے مگر! ایک کو نہیں۔ اور وہ جمع جس پر حرف استغراق داخل کیا جائے تو وہ دو سے زیادہ کو شامل ہوتا ہے مگر ایک اور دو کو نہیں پس استغراق مفرد بنسبت تشنیہ و جمع کے زیادہ شامل ہوتا ہے۔

اعتراض:..... اسم جنس مفرد پر حرف استغراق کو داخل کرنا جائز نہیں کیونکہ اسم جنس مفرد ہونے کی وجہ سے معنی واحد پر دلالت کرتا ہے جبکہ حرف استغراق معنی کے متعدد ہونے پر دلالت کرتا ہے تو وحدت اور تعدد شئی واحد میں کیسے جمع ہو سکتے ہیں؟

جواب:..... جب ہم اسم جنس مفرد پر الف لام کو داخل کر کے اس سے تعدد والا معنی لیتے ہیں تو اس وقت ہم مفرد والے معنی کی تجرید کرتے ہیں جس طرح مفرد سے جب تشنیہ و جمع بنایا جائے تو اس وقت مفرد والے معنی کی تجرید کی جاتی ہے۔

اعتراض:..... جب مفرد والے معنی کی تجرید کر دی گئی تو پھر جمع کے ساتھ اسکی صفت لانا جائز ہونا چاہئے یعنی ”الرجل العاقلون“ کہنا درست ہونا چاہئے حالانکہ نحوی اسے درست نہیں کہتے؟

جواب:..... معنی کے اعتبار سے یہ اگرچہ جمع ہیں مگر الفاظ کے اعتبار سے پھر بھی یہ مفرد ہی ہوتا ہے اس لیے نحو یوں کے نزدیک اسکی صفت جمع لانا درست نہیں۔

س 30:..... مسند الیہ کو اضافت کے ساتھ معرفہ لانے کی صورتیں بیان کریں:

ج:..... مسند الیہ کو اضافت کے ساتھ معرفہ لانا:

1. مسند الیہ کو اضافت کے ساتھ معرفہ لاتے ہیں تاکہ اس سے مختصر طریقہ پر کلام مکمل ہو جائے۔ جیسے: ”هَوَايَ مَعَ الرِّكَبِ الْيَمِينِ مُصْعِدٌ“ [میرا محبوب یعنی سواروں کے ساتھ جا رہا ہے] یہاں ”هَوَايَ“ آیا ہے [یعنی میرا محبوب] اسکو اضافت اور مضاف الیہ لانے سے ایک مختصر لفظ میں مضمون ادا ہو گیا ورنہ عبارت لمبی ہو جاتی اور یوں کہنا پڑتا: ”الَّذِي يَمِيلُ إِلَيْهِ قَلْبِي“ [جسکی طرف میرا دل مائل ہوتا ہے] طویل عبارت سے بچنے کیلئے مسند الیہ کو اضافت کے ساتھ معرفہ لاتے ہیں۔
2. کبھی مسند الیہ کو اضافت کے ساتھ معرفہ اس لیے لاتے ہیں کہ مضاف الیہ کی عظمت بیان کرنا مقصود ہوتی ہے۔ جیسے: ”عَبْدِي حَظَرٌ“ [میرا بندہ حاضر ہے] یا مضاف کی عظمت بیان کرنا مقصود ہوتی ہے۔ جیسے ”عَبْدُ الْخَلِيفَةِ رَكَبٌ“ [خلیفہ کا بندہ حاضر ہے] اور کبھی مضاف اور مضاف الیہ کے غیر کی تعظیم مقصود ہوتی ہے۔ جیسے ”عَبْدُ السُّلْطَانِ عَنَدِي“ [بادشاہ کا بندہ میرے پاس ہے]
3. کبھی مسند الیہ کو مضاف اس لیے لاتے ہیں کہ اس سے مضاف یا مضاف الیہ یا غیر کی تحقیر مقصود ہوتی ہے۔ مضاف کی تحقیر کی مثال: ”وَلَدُ الْحَجَّامِ حَاضِرٌ“ [نائی کا بیٹا حاضر ہے]۔ مضاف الیہ کی تحقیر کی مثال: ”مُهِينٌ زَيْدٌ حَاضِرٌ“ [زید کو ڈرانے والا حاضر ہے]۔ غیر کی تحقیر کی مثال: ”وَلَدُ الْحَجَّامِ جَلِيسٌ زَيْدٌ“ [نائی کا بیٹا زید کا ہم نشین ہے]

س 31::: مسند الیہ کو نکرہ لانے کے اسباب بیان فرمائیں:

جواب::: مسند الیہ کو نکرہ لانا:

1. مسند الیہ کو نکرہ لایا جاتا ہے اسکے مفرد ہونے کو بتانے کیلئے یعنی یہ بات بتانے کیلئے کہ پورے اسم جنس میں ایک ہی فرد مقصود اور مراد ہے باقی افراد مراد نہیں: جیسے ”جاء رجلٌ من اقصى المدينة یسعی“ [شہر کے کنارہ سے ایک مرد دوڑتا ہوئے آیا]۔

2. مسند الیہ کو نکرہ لایا جاتا ہے اسکی نوعیت بتانے کیلئے۔ جیسے ”وعلى ابصارهم غشاوة“ [انکی آنکھوں پر پردہ ہے] یہاں ”غشاوة“ سے ایک خاص قسم کا پردہ ہے جو انہیں اللہ کریم کے احکامات اور آیات کو ماننے سے روکتا ہے۔

3. 4 مسند الیہ کو نکرہ لایا جاتا ہے تعظیم یا تحقیر کیلئے۔ جیسے ”لہ حاجبٌ عن کل امر یُشیئہ::: ولیس لہ عن طالب العرف حاجب“ [انکے لئے ہر چیز سے مانع موجود ہے جو اسے معیوب کرے::: نہیں ہے ان کیلئے بھلائی کے کاموں کو طلب کرنے سے کوئی مانع]

5. نکرہ کبھی کثرت بیان کرنے کیلئے آتا ہے۔ جیسے ”ان لہ لا بلاوان لہ لغنماً“ [بیشک اسکے پاس بہت سے اونٹ اور بہت سی بکریاں ہیں]

6. نکرہ کبھی تکلیل کیلئے آتا ہے۔ جیسے ”ورضوانٌ من اللہ اکبر“ [اللہ کی تھوڑی سی رضا بہت بڑی ہے]

7. کبھی نکرہ تعظیم اور تکثیر کیلئے بھی آتا ہے۔ جیسے ”وان یکذون فقد کذبت رسلٌ من قبلک“ [اگر وہ آپ کو جھٹلائیں تو تحقیق بہت سے رسولوں کو جھٹلایا گیا] ”رسلٌ“ کی تنوین کو اگر تکثیر پر محمول کریں تو معنی ہوگا کہ آپ سے پہلے بہت سے رسولوں کو جھٹلایا گیا اور اگر تنوین کو تعظیم پر محمول کریں تو معنی ہوگا کہ آپ سے پہلے بڑی شان والے رسولوں کو جھٹلایا گیا۔

❖ اگر نکرہ مسند الیہ نہ ہو تو تب بھی یہ فوائد حاصل ہوتے ہیں۔

❖ کبھی نکرہ غیر مسند الیہ کیلئے افراد اور نوعیت بیان کرنے کیلئے آتا ہے۔ جیسے ”واللہ خلق کل دابة من ماء“ [اللہ کریم نے ہر جانور کو پانی سے پیدا فرمایا] اگر ”دابة اور ماء“ کی تنوین افراد کیلئے ہے تو معنی یہ ہوگا کہ اللہ کریم نے ہر ایک شخص کو ایک شخص کے نطفہ سے پیدا فرمایا یعنی ایک شخص کو اسکے باپ کے نطفہ سے۔ اس صورت میں

”ذابۃ“ کا بھی ایک ہی فرد مراد ہو گا اور ”ماء“ کا بھی ایک ہی فرد مراد ہو گا۔ نوع کی صورت میں معنی ہو گا کہ ایک نوع کے نطفہ کو ایک کے نطفہ سے پیدا فرمایا۔ مثلاً نوع انسان کو اسی نوع کے نطفہ سے پیدا فرمایا جو اسی کے ساتھ خاص ہے۔

❖ کبھی نکرہ غیر مسند الیہ کی تعظیم کیلئے آتا ہے جیسے ”فأذنوا بحرب من الله ورسوله“ [تو تم یقین کر لو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے بڑی لڑائی کا] یہاں ”حرب“ کی تنوین تعظیم کیلئے ہے یعنی ”بحرب عظیم“ بڑی لڑائی۔

❖ کبھی نکرہ غیر مسند الیہ کی تحقیر کیلئے۔ جیسے ”إن نظنُّ الا ظنًّا“ [ہم گمان نہیں کرتے مگر تھوڑا]۔

مسند الیہ کے توبع

س 32: مسند الیہ کو وصف کیوں لایا جاتا ہے؟ تمام صورتیں بیان فرمائیں:

جواب: مسند الیہ کو وصف کے ساتھ لانا:

1. وصف اس لیے لاتے ہیں تاکہ وہ مسند الیہ کو معنی کو واضح اور ظاہر کر دے۔ جیسے ”الجسم الطویل العریض

العمیق یحتاج الی فراغ یشغلہ“ [لمبا، چوڑا، گہرا جسم محتاج ہوتا ہے ایسی خالی جگہ کا جو اسے بھر دے]۔

❖ وصف اگر مسند الیہ کے علاوہ کا ہو تو وہ اسکی بھی وضاحت کرتا ہے۔ جیسے ”الاملعی الذی یظنُّ بکظ*** ظنّ

کأن قد رأى و قد سمعنا“ [عقل مند شخص جو تیرے بارے میں ایسا گمان رکھتا ہے گویا کہ اس نے تجھے دیکھا اور

سنا ہو] اس مثال میں ”الاملعی“ موصوف ہے اور غیر مسند الیہ ہے اور ”الذی یظن بک الظن“ اسکی صفت

ہے جو اسکی وضاحت کر رہی ہے۔

2. وصف کو مسند الیہ موصوف کی تخصیص کیلئے لایا جاتا ہے۔ اسکی چند صورتیں ہیں:

❖ کبھی تو اشتراک کو کم کرنے کیلئے آئیگا جبکہ موصوف نکرہ ہو۔ جیسے رجل تاجر عندنا

❖ اگر مسند الیہ معرفہ ہو تو وصف کے ذریعے اسکے احتمال کو ختم کرنے کا نام تخصیص ہے۔

3. کبھی وصف مدح بیان کرنے کیلئے آتا ہے۔ جیسے جاءنی رجل عالم

4. کبھی وصف مذمت بیان کرنے کیلئے آتا ہے۔ جیسے جاءنی رجل جاهل

5. کبھی وصف مسند الیہ کی تاکید بیان کرنے کیلئے آتا ہے۔ جیسے ”أَمْسِ الدَّابُّرُ كَانَ يَوْمًا عَظِيمًا“ اس مثال میں ”امس“ موصوف ہے اور ”امس“ گزشتہ دن ہی کو کہتے ہیں مگر! ”الدابر“ کے معنی ہیں گزرا ہوا یہ اسکی صفت ہے اس لیے تاکہ تاکید پیدا ہو جائے۔

س 33: مسند الیہ کو تاکید لانے کی وجہ بیان فرمائیں:

جواب: مسند الیہ کو تاکید کے ساتھ لانا:

1. کبھی مسند الیہ کی تاکید لائی جاتی ہے تاکہ اسکا حکم سامع کے ذہن میں پختہ ہو جائے اور یہ اس وقت ہوتا ہے کہ جب سامع نے مشغولیت کی وجہ سے مسند الیہ کو سنا ہی نہ ہو اس لیے مسند الیہ کو مکرر لاتے ہیں تاکہ وہ اسے سن لے اور وہ سامع کے ذہن میں پختہ ہو جائے۔ جیسے جاءنی زید زید

2. کبھی مسند الیہ کی تاکید وہم مجاز کو دور کرنے کیلئے لاتے ہیں یعنی سامع کا وہم دور کرنے کیلئے کہ متکلم نے اس سے معنی مجازی مراد نہیں لیا اس لیے تاکید لاتے ہیں۔ جیسے: قطع اللص الامیر الامیر۔

3. مسند الیہ کی تاکید سامع کے ذہن سے وہم کو دور کرنے کیلئے لاتے ہیں یعنی متکلم نے مسند الیہ سھوّا چھوڑ دیا اور صاحب حکم کوئی اور ہے۔ جیسے ”جاءنی زید زید“ کو مکرر اس لیے لائیں تاکہ سامع کو یہ وہم نہ ہو کہ آنے والا کوئی اور ہے اور ”زید“ کو سھوّا (غلطی) سے ذکر کر دیا۔

4. مسند الیہ کی تاکید کبھی عدم شمولیت کے وہم کو دور کرنے کیلئے لاتے ہیں۔ جیسے ”فَسَجَدَ الْمَلَائِكَةُ كُلُّهُمْ أَجْمَعُونَ“ اگر ”کُلُّهُمْ“ کی تاکید نہ ذکر کی جاتی تو فقط ”فَسَجَدَ الْمَلَائِكَةُ“ کہا جاتا تو سامع کو یہ وہم ہو سکتا تھا کہ مسند الیہ ”المَلَائِكَةُ“ ہیں تو تمام افراد شامل نہیں بلکہ اکثر شامل ہیں تو ”کُلُّهُمْ“ لا کر اس وہم کو دور کر دیا گیا۔

س 34: مسند الیہ کو عطف بیان لانے کی صورت بیان فرمائیں:

جواب: مسند الیہ کو عطف بیان لانے کی صورت:

1. مسند الیہ کیلئے کبھی عطف بیان لاتے ہیں تاکہ مسند الیہ کی وضاحت اسکے خاص نام کے ساتھ ہو جائے جو اسکے ساتھ خاص ہے۔ جیسے ”جاء صدیقک خالد“ یہاں ”خالد“ عطف بیان ہے ”صدیقک“ کا۔

س 35::: مسند الیہ کو بدل لانے کی صورت بیان فرمائیں:

جواب::: مسند الیہ کیلئے کبھی بدل لاتے ہیں اور مسند الیہ مبدل منہ بنتا ہے اور اسکی وجہ فقط یہ ہوتی ہے کہ مسند الیہ کی تقریر ہو جائے یعنی مسند الیہ کو سامع کے ذہن میں پختہ کرنے کیلئے بدل کو ذکر کیا جاتا ہے۔

بدل کی تین قسمیں ہیں

1. بدل کل جیسے ”جاءنی اخوگ زید“

2. بدل بعض جیسے ”جاءنی القوم اکثرهم“

3. بدل اشتغال جیسے ”سلب عمرو ثوبہ“

س 36::: مسند الیہ کو عطف کی ساتھ لانے کی صورت بیان فرمائیں:

جواب::: [1] کبھی مسند الیہ پر کسی چیز کا عطف کر دیا جاتا ہے۔ کبھی عطف اس لیے کیا جاتا ہے کہ اختصار کے ساتھ مسند الیہ کی تفسیر مقصود ہوتی ہے۔ جیسے ”جاءنی زید و عمرو“ یا مسند کی تفسیر مقصود ہوتی ہے اختصار کے ساتھ۔ جیسے: ”جاءنی زید فعمرو“

2. سامع کو حکم میں خطاء سے درستگی کی طرف پھیرنا مقصود ہوتا ہے۔ جیسے ”جاءنی زید لا عمرو“۔

3. سامع کو ایک حکم سے دوسرے حکم کی طرف پھیرنا مقصود ہوتا ہے اور یہ لفظ ”بل“ کے ذریعے ہوتا ہے۔ جیسے ”جاءنی زید بل عمرو“

4. حرف عطف شک کیلئے یا شک میں ڈالنے کیلئے آتا ہے اور یہ حرف ”او“ سے حاصل ہوتا ہے۔ جیسے جاءنی زید او عمرو۔

س 37::: مسند الیہ کی تقدیم کی صورتیں بیان فرمائیں: نیز مسند الیہ مقدم کیوں ہوتا ہے اسے بھی واضح کریں:

جواب::: مسند الیہ کے احوال میں سے ایک حال مسند الیہ کی تقدیم بھی ہے۔ اسکی کئی صورتیں ہیں:

1. مسند الیہ اور مسند میں سے مسند الیہ کا ذکر اہم ہوتا ہے اس لیے مسند الیہ کو مسند سے مقدم کیا جاتا ہے۔ مسند الیہ مقدم اس لیے ہوتا ہے کیونکہ وہ کلام میں اصل ہوتا ہے اور اسکے اصل ہونے کی وجہ سے اس پر حکم لگایا جاتا ہے اور حکم لگانے کیلئے مقدم ہونا ضروری ہے اور مقدم ہونے کیلئے قید ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ عدم تقدیم پر کوئی قرینہ موجود نہ ہو اور اگر عدم تقدیم پر کوئی قرینہ پایا گیا تو تقدیم مسند الیہ یہ اصل نہیں۔ جیسے فاعل یہ مسند الیہ ہے اور اسے فعل سے مقدم نہیں کر سکتے کیونکہ فعل عامل ہے اور یہ معمول ہے اور معمول اپنے عامل پر مقدم نہیں ہوتا اس لیے ضروری ہے کہ عدم تقدیم پر کوئی قرینہ نہ پایا جائے۔

2. متکلم کا سامع کے ذہن میں خبر کا خوب جما دینا مقصود ہوتا ہے اگر ایسا ہو تو مسند الیہ کو مقدم کرنا اہم ہوتا ہے کیونکہ جب مسند الیہ کو مقدم کیا جائیگا تو سامع کے ذہن میں خبر کو سننے کا شوق پیدا ہو گا اور جو چیز طلب شوق کے بعد واقع ہو تو وہ پختہ ہو جاتی ہے۔ جیسے ”وَالَّذِي حَارَتْ الْبَرِيَّةُ فِيهِ **** حيوانٌ مُسْتَحْدَثٌ مِنْ جَمَادٍ“ [وہ جس نے مخلوق کو حیرت میں ڈال دیا وہ ہے کہ جسکو بے جان چیز سے پیدا کیا جائے]۔

3. خوشی یا تکلیف کی خبر کو جلدی بیان کرنا مقصود ہوتا ہے۔ جیسے ”سَعْدٌ فِي دَارِكٍ“ [خوش بخت تیرے گھر میں ہے]۔

4. کبھی مسند الیہ کو اس لیے مقدم کیا جاتا ہے تاکہ سامع کو یہ بات بتائے کہ مسند الیہ کے ساتھ انتہائی محبت ہے اور وہ میرے دل سے نہیں نکلتا جب بھی زبان سے کوئی لفظ نکالنا ہو تو اسے کا نام نکلتا ہے۔ جیسے ”الحبيبُ جاء“۔

5. کبھی مسند الیہ کے نام سے لذت حاصل کرنے کی وجہ سے اسے مقدم کیا جاتا ہے۔ جیسے: ”مُحَمَّدٌ ﷺ الرَّسُولُ اللَّهِ“

6. کبھی تعظیم یا تحقیر کی وجہ سے مقدم کیا جاتا ہے۔ جیسے: رجلٌ فاضلٌ عندی ، رجلٌ جاهلٌ عندک۔

اس کے علاوہ بھی مقدم کرنے کی اعراض ہیں۔

س 38: علامہ عبد القاهر جرجانی نے اپنی کتاب ”دلائل الاعجاز“ میں تقدیم مسند الیہ کا ایک فائدہ ذکر کیا ہے اسکو تفصیلاً بیان کریں:

جواب: علامہ عبد القاهر جرجانی نے اپنی کتاب ”دلائل الاعجاز“ میں کہا کہ کبھی مسند الیہ کو مسند پر اس لیے مقدم کیا جاتا ہے تاکہ اسکی تقدیم اس بات کا فائدہ دے کہ خبر فعلی کی نفی مسند الیہ کے ساتھ خاص ہے اور خبر فعلی غیر مسند الیہ

کیلئے ثابت ہے اور یہ اسکے معنی التزامی ہے اور یہ اس وقت ہوتا ہے کہ جب مسند الیہ حرف نفی سے ملا ہوا ہو۔ جیسے: ”ما انا فُلْتُ هَذَا“ [یہ بات میں نے نہیں کہی] یہ اسکے صریح معنی ہیں کہ یہ بات میں نے نہیں کہی جبکہ اسکے التزامی معنی ہونگے کہ یہ بات دوسرے نے کہی ہے جب یہ معلوم ہو گیا کہ مسند الیہ کی تقدیم اس بات کا فائدہ دیتی ہے خبر فعلی کی نفی مسند الیہ کے ساتھ خاص ہے اور غیر مسند الیہ کیلئے ثابت ہے تو ”ما انا فُلْتُ هَذَا وَلَا غَيْرُهُ“ کہنا درست نہیں کیونکہ ”ما انا فُلْتُ“ کے مفہوم میں یہ بات داخل ہے کہ یہ بات میں نے نہیں کہی بلکہ کسی اور نے کہی ہے اور اگر ”لا غیر“ بھی لائے تو مطلب یہ ہوگا کہ میرے غیر نے بھی نہیں کہی دونوں میں تناقض ہے۔

اسی طرح ”ما انا رايْتُ احداً“ کہنا درست نہیں کیونکہ اسکا صریح معنی یہ ہے کہ میں نے کسی کو بھی نہیں دیکھا اور اسکا التزامی معنی یہ ہے کہ میرے غیر نے سب کو دیکھا کیونکہ متکلم نے اس سے عموم رؤیت کی نفی کی ہے کیونکہ قاعدہ ہے کہ نکرہ جب تحت النفی آئے تو عموم کا فائدہ دیتا ہے تو لہذا غیر کیلئے عموم رؤیت کا اثبات ہوگا اور یہ اثبات غلط ہے کیونکہ ایک شخص کا تمام انسانوں کو دیکھنا محال ہے۔

اسی طرح ”ما انا ضربْتُ الا زيدا“ کہنا بھی درست نہیں کیونکہ اسکا صریح معنی یہ ہوگا کہ میں نے زید کے علاوہ کسی کو نہیں مارا اور اسکا التزامی معنی یہ ہوگا کہ میرے غیر نے سب کو مارا کیونکہ مستثنیٰ منہ ”احداً“ مقدر ہے جو کہ عام ہے متکلم نے اسکے ضرب کی نفی اپنے سے کی ہے تو لہذا غیر کیلئے اسکا اثبات نہ ہوگا اور یہ عمومیت کو شامل ہوگا یعنی میں نے کسی کو نہیں مارا میرے غیر نے سب کو مارا اور یہ محال ہے۔

س 37:..... اگر مسند الیہ حرف نفی سے ملا ہوا نہ ہو تو مسند الیہ کی تقدیم کس چیز کا فائدہ دیگی مکمل بیان فرمائیں:

جواب:..... اگر مسند الیہ حرف نفی سے ملا ہوا نہ ہو تو اس صورت میں مسند الیہ کی تقدیم یا تو تخصیص کیلئے ہوگی یا حکم کی تقریر کیلئے ہوگی۔ حرف نفی متصل نہ ہو تو اسکی دو صورتیں ہیں:

[۱] حرف نفی ہی نہ ہو۔

[۲] حرف نفی تو ہو مگر مسند الیہ سے مؤخر ہو۔

الغرض مسند الیہ مقدم ہو مگر! حرف نفی سے متصل نہ ہو تو مسند الیہ کی تقدیم کبھی تخصیص کیلئے ہوگی اور اس تخصیص سے مقصود کبھی تو اس شخص کا رد کرنا ہوگا کہ جس نے یہ گمان کیا ہو کہ خبر فعلی کا مرتکب مسند الیہ یعنی متکلم نہیں بلکہ اسکے علاوہ کوئی دوسرا معین شخص ہے یا پھر اس شخص کا رد کرنا ہوگا کہ جس کا یہ خیال ہو کہ خبر فعلی کے ارتکاب میں متکلم کے ساتھ اور لوگ بھی شریک ہیں۔ جیسے: ”اَنَا سَعَيْتُ فِي حَاجَتِكَ“ [تیری حاجت روائی میں میں نے ہی کوشش کی] اب یہ اس کا بھی رد ہو سکتا ہے کہ جو یہ خیال رکھتا ہو کہ حاجت روائی کرنے والا کوئی دوسرا معین شخص ہے اور اس کا بھی رد ہو سکتا ہے کہ جس کا یہ خیال ہو کہ اُس اکیلے نے حاجت روائی نہ کی بلکہ اور لوگ بھی اسکے ساتھ شریک ہیں۔

❖ اگر اس کلام کو مؤکد کرنے کی ضرورت ہو تو پہلی صورت میں ”لا غیر“ کے ساتھ اور دوسری صورت میں ”وحدی“ کے ساتھ تاکید لائی جاتی ہے۔

❖ مسند الیہ اگر حرف نفی سے متصل نہ ہو تو مسند الیہ کی تقدیم سامع کے ذہن میں حکم کو پختہ کرنے کیلئے آتی ہے۔ جیسے: ”هُوَ يُعْطَى الْجَزِيلُ“ [وہی بہت بخشے والا ہے]۔

❖ اگر مسند الیہ حرف نفی سے متصل نہ ہو یعنی حرف نفی تو ہو مگر مسند الیہ سے مؤخر ہو تو اس صورت میں یہ بھی تخصیص حکم یا تقویٰ حکم کا فائدہ دیتا ہے۔ تخصیص کی مثال: ”اَنْتَ مَا سَعَيْتَ فِي حَاجَتِي“ [میرے کام میں کوشش نہ کرنا میرے ساتھ ہی خاص ہے]۔ تقویٰ حکم کی مثال: ”اَنْتَ لَا تَكْذِبُ“ اس میں ”اَنْتَ“ مسند الیہ کی تقدیم حکم منفی کی تقویت کیلئے ہے اور کذب کی نفی ”لَا تَكْذِبُ اَنْتَ“ کی بنسبت زیادہ ہے کیونکہ حکم کے اندر تقویت تکرار اسناد کی وجہ سے آتی ہے اور تکرار اسناد ”اَنْتَ لَا تَكْذِبُ“ میں موجود ہے اور ”لَا تَكْذِبُ“ اَنْتَ میں مفقود ہے۔

❖ اگر مسند الیہ نکرہ ہو خواہ حرف نفی سے متصل ہو یا نہ ہو تو وہ تخصیص الجنس یا تخصیص افرادیت کا فائدہ دیگا۔ ”رَجُلٌ جَاءَنِي“ یہ تخصیص جنس کا بھی فائدہ دیگا کہ میرے پاس مرد ہی آیا نہ کہ عورت اور یہ تخصیص افرادیت کا بھی فائدہ دیگا کہ میرے پاس ایک ہی مرد آیا نہ کہ دو مرد۔

س 38:..... علامہ سکا کی کے نزدیک تقدیم مسند الیہ کب مفید تخصیص ہوگی؟

جواب :..... علامہ سکا کی نے اس بات کی کہ تقدیم مسند الیہ تخصیص کیلئے ہوتی ہے عبد القاهر کی موافقت کی ہے مگر تفسیر میں کچھ مخالفت کی ہے یعنی شرائط میں عبد القاهر کے نزدیک تقدیم مسند الیہ مطلقاً مفید تخصیص ہے بغیر کسی شرط کے جبکہ علامہ سکا کی کے نزدیک تقدیم مطلقاً مفید تخصیص نہیں بلکہ اس کیلئے کچھ شرائط کا ہونا ضروری ہے اگر وہ شرائط پائی جائیگی تو تقدیم مفید تخصیص ہوگی ورنہ نہیں۔ شرائط یہ ہیں:

۱] مسند الیہ میں یہ فرق کرنا ممکن ہو کہ مسند الیہ اصل میں فاعل معنوی ہونے کی وجہ سے فعل میں مؤخر تھا پھر اسکی تخصیص پیدا کرنے کیلئے اسکو مقدم کر دیا۔

نوٹ :..... فاعل معنوی کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ فاعل لفظی نہیں ہو گا بلکہ کبھی بدل ہو گا اور کبھی تائید ہو گا۔

۲] اسکو فرض کر بھی لیا ہو کہ ”انا“ معنی فاعل ہونے کی وجہ سے مؤخر تھا جب یہ شرطیں پائی جائیں گی تو یہ تقدیم مفید تخصیص ہوگی ورنہ تقوی حکم کا فائدہ دیگی۔ اگر اسکو فرض نہ کیا ہو یا پھر فرض کرنا ہی جائز نہ ہو جیسے ”زید قائم“ اس میں زید مسند الیہ کو فاعل معنوی بنا کر مؤخر کرنا جائز نہیں یعنی ”زید قائم“ کو ”قام زید“ کہنا جائز نہیں کیونکہ زید فاعل لفظی ہے ناکہ فاعل معنوی۔ اور فاعل معنوی کی تقدیم جائز ہے ناکہ فاعل لفظی کی۔

اعتراض :..... ”زید قائم“ میں زید کی تقدیم مفید تخصیص نہیں تو ”رجل جاءنی“ میں رجل کی تخصیص درست نہیں ہونی چاہیئے اور نا ہی اسکو مبتداء بنانا درست ہوگا؟

جواب :..... ”رجل جاءنی“ کی مثال اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہے اس مثال میں ”رجل“ نکرہ اصل میں مؤخر ہے اور معنفاً فاعل ہے ناکہ لفظاً اس طرح کے ”جاءنی“ کی ضمیر ”هو“ اسکا فاعل ہے اور ”رجل“ اس سے بدل ہے اور فاعل کا بدل معنفاً فاعل ہوتا ہے اس لیے ”رجل“ جاءنی کا معنفاً فاعل ہے اور جب معنفاً فاعل ہے تو اسکی تقدیم مفید تخصیص ہوگی اور اسکا مبتداء بنانا بھی درست ہوگا۔ مصنف نے اسے ”وَأَسْرُوا الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الَّذِينَ ظَلَمُوا“ قبیل سے قرار دیا ہے یعنی جس طرح ”أسروا“ کا واو لفظی فاعل ہے اور ”الذين ظلموا“ اس سے بدل ہے اسی طرح ”جاءنی“ میں ”هو“ لفظی فاعل ہے اور

”رجل“ اس سے بدل ہے رجل نکرہ میں تخصیص پیدا کرنا اس لیے ضروری ہے تاکہ اسکا مسند الیہ اور مبتداء واقع ہونا درست ہو برخلاف معرفہ کے یعنی اگر مسند الیہ نکرہ ہو تو اسکی تخصیص کرنے کیلئے جس وجہ بعیدہ کا ارتکاب کیا گیا ہے مسند الیہ معرفہ میں اسکی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ معرفہ کو تخصیص کے ارتکاب کے بغیر مبتداء بنانا درست ہے۔

س 39: علامہ سکاکی نے کہا کہ اگر مسند الیہ نکرہ ہو تو اسکی تقدیم کو مفید تخصیص بنانے کیلئے دو شرطوں کا ہونا ضروری ہے اسکے ساتھ ایک اور شرط بیان کی ہے اسکی مکمل وضاحت فرمائیں:

جواب: علامہ سکاکی نے کہا کہ اگر مسند الیہ نکرہ ہو تو اسکی تقدیم کو مفید تخصیص بنانے کیلئے دو شرطوں کا ہونا ضروری ہے اب ایک اور شرط کا اضافہ کر رہے ہیں وہ یہ ہے کہ کوئی مانع تخصیص موجود نہ ہو یعنی اگر مسند الیہ نکرہ ہو اور اس میں دو شرطیں بھی پائی جا رہی ہیں مگر کوئی مانع تخصیص ہو تو وہ بھی مفید تخصیص نہیں ہوگا۔ جیسے: ”شَرُّ اَهَرِّ ذَانَابٍ“ [شرنے کتے کو بھونکایا] اس مثال میں ”شر“ نکرہ ہے اور مقدم ہے مگر! مفید تخصیص نہیں کیونکہ اس مثال میں مانع تخصیص موجود ہے وہ اس طرح کہ یہاں تخصیص سے یا تو تخصیص جنس مراد ہوگی یا تخصیص فرد اگر تخصیص جنس مراد ہے تو معنی یہ ہوگا کہ کتے کو جنس شر نے بھونکایا نہ کہ جنس خیر نے تو مطلب یہ نکلا کہ کتے کو بھونکانے والی دو چیزیں ہیں

1. شر

2. خیر

کتے کو بھونکانے والا شر ہی ہوتا ہے نہ کہ خیر تو جب خیر کتے کو نہیں بھونکاتا تو اسکی نفی کر کے شر کی تخصیص کرنا جائز نہیں۔

اگر تخصیص سے فرد مراد لیں تو معنی ہوگا ”شَرُّ اَهَرِّ ذَانَابٍ لَا شَرَّانِ“ [کتے کو ایک شر نے بھونکایا نہ کہ دو شر نے] اہل عرب اس طرح کلام نہیں کرتے لہذا اس کلام سے تخصیص فرد حاصل نہیں ہوگا لہذا جب مانع تخصیص موجود ہو تو تقدیم تخصیص کیلئے نہ ہوگی۔

اعتراض: علامہ سکاکی نے کہا کہ ”شَرُّ اَهَرِّ ذَانَابٍ“ مفید تخصیص نہیں مگر! ائمہ نحو نے اسے مفید تخصیص کہا ہے یعنی ”شر اهر ذاناب“ کا مطلب ہے ”ما اهر ذاناب الا شر“ جب کلام میں ”ما“ یا ”لا“ موجود ہو تو اس کے ذریعے تخصیص حاصل ہو جاتی ہے۔

جواب.....: علامہ سکا کی نے تخصیص جنس اور فرد کی نفی کی ہے جبکہ نحو یوں نے تخصیص نوعی کو ثابت کیا ہے یعنی ”شُرّ“ کی تنوین تعظیم کیلئے ہے مطلب یہ ہے کہ کتے کو شرّ عظیم نے بھونکایا نہ کہ شرّ حقیر نے۔

س 40.....: مذہب سکا کی پر اعتراض کے جواب بیان کریں:

جواب.....: سکا کی کا مذہب محلہ نظر ہے فاعل لفظی جیسے ”زید قائم“ اور فاعل معنوی جیسے: ”انا قُمتُ“ جب تک اپنے حال پر رہیں گے اس وقت تک تقدیم کے ممتنع ہونے میں دونوں برابر ہیں یعنی فاعل لفظی جیسے ”زید قائم“ میں زید کو اگر مؤخر کر دیا جائے یعنی ”قائم زید“ کہا گیا جب تک زید فاعل لفظی رہیگا اس وقت تک زید کا ”قائم“ پر مقدم کرنا منع ہے اسی طرح فاعل معنوی جب تک تابع رہیگا اس وقت تک اسے بھی مقدم کرنا منع ہے یعنی جس طرح فاعل لفظی کو فعل پر مقدم کرنا منع ہے اسی طرح فاعل معنوی کو بھی فعل پر مقدم کرنا منع ہے۔

➤ فاعل لفظی کے تقدیم کے امتناع سے فاعل معنوی کا مقدم ہونا درجہ اولیٰ ممتنع ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ جب فاعل معنوی کو مقدم کی جائیگا تو دو وجہ سے امتناع لازم آئیگا:

1. تابع اپنے متبوع پر مقدم ہوگا جو کہ ممتنع ہے۔

2. تابع اس چیز پر مقدم ہوگا جس پر اسکے متبوع کا مقدم ہونا ممتنع ہے برخلاف اسکے کہ اگر فاعل لفظی کو مقدم کیا جائے تو ایک وجہ سے امتناع لازم آئیگا اسی طرح تابع کا متبوع پر مقدم کرنا بالاتفاق ناجائز ہے برخلاف اسکے کہ فاعل لفظی کو بعض کو فیوں نے اسکے عامل پر مقدم کرنا جائز رکھا ہے جب تقدیم کے ممتنع ہونے میں دونوں برابر ہیں تو علامہ سکا کی کا فاعل معنوی کی تقدیم کو جائز قرار دینا اور فاعل لفظی کی تقدیم کو ناجائز قرار دینا درست نہیں۔

➤ سکا کی کا یہ کہنا کہ ”رجلٌ جاءنی“ میں رجل اصل میں مؤخر تھا بعد میں اسے مقدم کر دیا گیا اور اس میں تخصیص ماننے کا یہی ایک سبب ہے اسکے علاوہ کوئی سبب نہیں یہ بات ہمیں تسلیم نہیں۔ کیونکہ تخصیص بغیر تقدیم کو مؤخر مانے بھی ہو سکتی ہے جیسا کہ خود علامہ سکا کی نے ”شرّ اھر ذاناب“ کے بارے میں کہا کہ اس میں جو تخصیص ہے وہ تعظیم وغیرہ ماننے کی وجہ سے ہے پھر یہ کیوں نہیں ہو سکتا کہ ”جاءنی رجل“ میں تعظیم یا تحقیر وغیرہ ماننے کی وجہ سے تخصیص ہو تو جب یہ ہو سکتا ہے تو یہ بھی ہو سکتا ہے تو پھر آپ کا یہ کہنا کہ ”رجلٌ جاءنی“ میں اگر تقدیر تقدیم کا اعتبار نہ ہو تو اس میں تخصیص نہ ہوگی یہ بات درست نہیں۔

➤ علامہ سکاکی کی یہ بات بھی ہمیں تسلیم نہیں کہ ”شر اھر ذاناب“ میں تخصیص جنس مراد نہیں لی جاسکتی کیونکہ ”شر اھر ذاناب“ میں شر کو اس لیے مقدم کیا گیا ”شر اھر ذاناب لاخیر“ یعنی جنس شر نے کتے کو بھونکایا نہ کہ جنس خیر نے کیونکہ جب کتا اپنے مالک کو دیکھ کر بھونکتا ہے تو اس کا سبب خیر ہوتا ہے اور جب دشمن کو دیکھ کر بھونکتا ہے تو اس کا سبب شر ہوتا ہے۔

اعتراض:..... علامہ سکاکی نے کہا کہ ”زید قائم“ یہ تقویٰ حکم میں ”هو قام“ کے قریب قریب ہے یعنی ”هو قام“ میں تو تقویٰ بغیر شبہ کے پائی جاتی ہے مگر ! ”زید قائم“ میں تقویٰ شبہ کے ساتھ پائی جاتی ہے تو جب ایسا ہے تو ”زید قائم“ مفید تقویٰ ہونے میں ”هو قام“ کے مثل نہیں ہوگا بلکہ اس کے قریب قریب ہوگا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ”هو قام“ میں تقویٰ بغیر شبہ کے اور ”زید قائم“ میں تقویٰ شبہ کے ساتھ ایسا کیوں؟

جواب:..... هو قام میں اسناد کا تکرار ہے اور تکرار کا نام تقویٰ حکم ہے اور یہ تکرار اسناد بغیر شبہ کے ہے تو تقویٰ بھی بغیر شبہ کے ہوگی۔

اور ”زید قائم“ میں تکرار اسناد یقینی نہیں اس لیے کہ ”قائم“ میں ”قام“ کی طرح ضمیر ہے اس طرح تو یہ ”قام“ کے مشابہ ہے مگر ! قائم ضمیر سے خالی ہونے میں اسم جامد کے بھی مشابہ ہے اس طرح کہ اسم جامد غیبت، خطاب اور تکلم تینوں حالتوں میں یکساں رہتا ہے جیسے ”هو رجل، انت رجل، انا رجل“ اسی طرح ”قائم“ بھی یکساں رہتا ہے جیسے: ”هو قائم، انت قائم، انا قائم“۔

”قائم“ قام کے مشابہ ہے ضمیر کو متضمن ہونے کی وجہ سے تو اسناد دو بار ہوگی ایک بار زید کی طرف اور ایک بار ضمیر کی طرف مگر ! اسم جامد کے مشابہ ہونے کی وجہ سے اسناد ایک بار ہوگی یعنی قیام کی اسناد زید کی طرف جب یہ خالی عن الضمیر کے مشابہ ہے تو یہ بھی خالی عن الضمیر ہے ایک جہت سے تکرار اسناد کی وجہ سے تقویٰ حکم ہے اور ایک جہت سے تقویٰ حکم نہیں ہے اسی وجہ سے ”زید قائم“ مفید تقویٰ ہے مگر ! عدم تقویٰ کا بھی احتمال ہے اسی وجہ سے سکاکی نے اسے ”هو قام“ کے قریب قریب کہا ہے اس لیے کہ ”قائم“ خالی عن الضمیر کے مشابہ ہونے کی وجہ سے جملہ نہیں کہلاتا بلکہ مفرد کہلاتا ہے اور نہ ہی اس کے اسناد بناء میں جملہ جیسا معاملہ کیا جاتا ہے۔

س 41:..... لفظ ”مثل اور غیر“ کب مسند الیہ مقدم ہونگے؟

جواب:..... وہ مقام جہاں مسند الیہ کی تقدیم کو ضروری سمجھا جاتا ہے ان میں سے ایک مقام وہ ہے جہاں لفظ ”مثل“ اور غیر“ مسند الیہ واقع ہوں اور ان کیلئے شرط یہ ہے کہ انکا استعمال بطور کنایہ ہو یعنی ملزوم بول کر لازم مراد لیا گیا ہو اسی وقت انکی تقدیم لازم کی طرح یعنی واجب کی طرح ہوگی۔ جیسے:

”مِثْلُک لَا یَبْخُلُ غَیْرُک لَا یَجُودُ“

[کوئی بخل نہیں تیرے علاوہ کوئی سخی نہیں]

بطور کنایہ یہ معنی ہونگے ”تو بخل نہیں ہے تو سخی ہے“ اس کے لیے شرط یہ ہے کہ غیر مخاطب سے تعریضیں مقصود نہ ہوں اگر غیر مخاطب سے تعریضیں مقصود ہوں تو یہ کلام بطور کنایہ نہیں ہوگا اور اس کے لیے ضروری ہے کہ یہ کلام بطور کنایہ ہو۔ کنایہ اس طرح ہوگا ”مِثْلُک لَا یَبْخُلُ“ اس مثال میں اس آدمی سے بخل کی نفی کر دی گئی جو مخاطب کی صفت پر ہے اور تعریضاً یعنی اشارۃ کسی مماثل کا ارادہ بھی نہیں کیا گیا تو اس سے یہ لازم آیا کہ مخاطب سے بخل کی نفی ہو یعنی مخاطب جیسی صفات والے آدمی سے بخل کی نفی ملزوم ہے اور مخاطب سے بخل کی نفی لازم ہے اب یہاں ملزوم بول کر لازم مراد لیا گیا ہے۔

”غَیْرُک لَا یَجُودُ“ [تیرے علاوہ کوئی سخاوت نہیں کرتا] اس مثال میں کنایہ کی صورت یہ ہے کہ مخاطب کے علاوہ سے جود کی نفی ہے جو اس بات کو مستلزم ہے کہ مخاطب سخی ہے جب مخاطب کے علاوہ آدمی سے جود کی نفی ہوئی تو لازمی طور پر مخاطب کیلئے ثابت ہوئی تو لہذا یہاں ملزوم بول کر لازم مراد لیا گیا۔

س 43:..... مسند الیہ کو عموم پر دلالت کرنے کی وجہ سے مقدم کیا جائے تو وہ کس چیز کا فائدہ دیتا ہے؟

جواب:..... کبھی مسند الیہ کو عموم پر دلالت کرنے کی وجہ سے مقدم کیا جاتا ہے۔ جیسے: ”کُلُّ انْسانٍ لَمْ یَقُمْ“ [تمام انسان نہیں کھڑے ہیں] یہاں عموم سلب پایا جا رہا ہے برخلاف اس کے کہ اگر مسند الیہ مؤخر کر دیا جائے تو وہ عموم سلب کا فائدہ نہیں دیتا بلکہ سلب عموم کا فائدہ دیتا ہے، جیسے ”لَمْ یَقُمْ کُلُّ انْسانٍ“

س 44:..... اگر مسند الیہ پر لفظ کل داخل ہو اور مسند کے ساتھ حرف نفی ہو تو وہ کس چیز کا فائدہ دیتا ہے؟

جواب.....: اگر مسند الیہ پر لفظ کل داخل ہو اور مسند کے ساتھ حرف نفی ہو تو اس وقت مسند الیہ کی تقدیم عموم سلب کا فائدہ دیگی کیونکہ اسکی تقدیم اگر عموم سلب کا فائدہ نہ دے تو اس وقت لفظ کل تاکید کیلئے ہوگا اور تاکید کوتا سیس پر ترجیح دینا لازم آئے گا جبکہ تاسیس کوتا کید پر ترجیح دینا اولیٰ ہے۔

تاکید.....: کسی لفظ کا اس معنی پر دلالت کرنا جو معنی پہلے سے حاصل ہو۔

تاسیس.....: کسی لفظ کا جدید معنی کیلئے مفید ہونا۔

جیسے لفظ کل کے بغیر اگر کسی نے کہا ”انسان لم یقم“ تو یہ قضیہ موجبہ مہملہ معدولۃ المحمول ہے۔ جب یہ قضیہ موجبہ مہملہ معدولۃ المحمول ہے تو عدم قیام کا حکم انسان کے مجموعہ افراد کیلئے ہوگا ناکہ ہر فرد کیلئے یعنی قیام کی نفی مجموعہ افراد سے ہوگی ہر فرد سے نہیں کیونکہ قضیہ موجبہ مہملہ معدولۃ المحمول یہ سالبہ جزئیہ کے معنی میں ہوتا ہے یعنی ”انسان لم یقم“ یہ ”لم یقم بعض الانسان“ کے معنی میں ہے مجموعہ افراد سے حکم کی نفی اس بات کو شامل ہے کہ بعض کیلئے حکم کی نفی اور بعض کیلئے اثبات ہے۔

اگر مسند الیہ مؤخر ہو اور اس پر لفظ کل داخل ہو اور مسند کے ساتھ حرف نفی ہو تو یہ تاخیر سلب عموم کا فائدہ دیگی۔ اگر ایسا نہ ہو تو تاکید کوتا سیس پر ترجیح دینا لازم آئے گا کیونکہ اگر مسند الیہ مؤخر ہو اور بغیر لفظ کل کے ہو جیسے ”لم یقم انسان“ تو یہ سالبہ مہملہ ہے اور سالبہ مہملہ سالبہ کلیہ کے معنی میں ہوتا ہے۔ جیسے ”لم یقم انسان“ یہ ”لا شیء من الانسان بقائم“ کے معنی میں ہے یعنی انسان کے افراد میں سے کوئی فرد قائم نہیں یعنی یہ عموم سلب کا فائدہ دے رہا ہے۔ تو جب ”لم یقم انسان“ یہ بغیر کل کے عموم سلب کا فائدہ دیتا ہے تو اب اگر لفظ کل کے بعد بھی اسی کا فائدہ دے تو یہ تاکید کیلئے ہوگا ناکہ تاسیس کیلئے حالانکہ تاسیس کو ترجیح دینا اولیٰ ہے ناکہ تاکید کو اس سے بچنے کیلئے دخول کل کے بعد ”لم یقم انسان“ کو عموم سلب پر محمول کیا جائیگا۔

س 45.....: سلب عموم اور عموم سلب پر اعتراضات بیان فرمائیں:

جواب.....: اعتراض [۱].....: سلب عموم اور عموم سلب کے بارے میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس میں نظر ہے آپ نے کہا کہ اگر لفظ کل کے داخل کرنے کے بعد بھی یہ عموم سلب کا فائدہ دے تو یہ تاکید کیلئے ہوگا یہ درست نہیں کیونکہ

جب تک لفظ کل داخل نہیں ہوا تھا اس وقت تک انسان مسند الیہ بن رہا تھا اور لفظ کل کے داخل کرنے کے بعد یہ خود مسند الیہ بن گیا تو اب اس کا مضاف الیہ یعنی انسان مسند الیہ نہ رہا لہذا اب انسان تاکید کیلئے نہ ہوگا کیونکہ تاکید کے ہونے سے دوسرے لفظ سے بھی وہی معنی حاصل ہوں جو پہلے سے ہو رہا ہے یہ ضروری ہے جبکہ یہاں صورت حال برخلاف ہے کیونکہ مسند الیہ بدل چکا ہے تو اس صورت میں بھی یہ تاکید کیلئے نہیں بلکہ تاسیس کیلئے ہوگا۔

اعتراض [۲]: دوسرا اعتراض دوسری صورت پر ہوتا ہے کہ جب مسند الیہ مؤخر ہو اس سے جو آپ نے سلب عموم کا فائدہ لیا اور عموم سلب کو رد کر دیا اس پر ہمیں اعتراض ہے۔ لفظ کل داخل کرنے بعد سلب عموم مراد ہو یا عموم سلب دونوں صورتوں میں تاکید کیلئے ہوگا اور دو تاکیدوں میں سے کسی ایک کو ترجیح دینا لازم آئیگا اور یہ لفظ کل تاسیس کیلئے بالکل نہیں ہوگا اسکی وجہ یہ ہے کہ سالبہ مہملہ لفظ کل کے داخل کرنے سے پہلے نفی عن کل فرض کیلئے تھا اور عموم سلب کا فائدہ دے رہا تھا مگر! ہم یہ کہتے ہیں کہ جب یہ کلام نفی عن کل فرض کیلئے ہے اور عموم سلب کا فائدہ دے رہا ہے تو یہ نفی عن جملۃ الافراد اور سلب عموم کیلئے بھی ہوگا اس لیے کہ نفی عن کل فرض خاص ہے اور نفی عن جملۃ الافراد عام ہے کیونکہ عن جملۃ الافراد اس وقت بھی صادق آئیگا کہ جب نفی عن کل فرض ہو اور اس وقت بھی فائدہ دیگا کہ جب بعض کی نفی اور بعض کا ثبوت ہو تو نفی عن جملۃ الافراد عام ہو اور نفی عن کل فرض خاص ہو اور خاص عام کو مستلزم ہوتا ہے لہذا نفی عن کل فرد یہ نفی عن جملۃ الافراد کو مستلزم ہوا یعنی جہاں نفی عن کل فرد یعنی عموم سلب ہوگا وہاں نفی عن جملۃ الافراد یعنی سلب عموم بھی ہوگا تو جب ایسا ہے تو لفظ کل داخل کرنے سے پہلے یہ ”لم یقم انسان“ یہ نفی عن کل فرد اور نفی عن جملۃ الافراد دونوں کا فائدہ دیگا اب لفظ کل داخل کرنے کے بعد نفی عن جملۃ الافراد پر محمول کیا گیا تو بھی لفظ کل تاسیس کیلئے نہ ہوگا بلکہ تاکید کیلئے ہوگا کیونکہ یہ معنی بغیر کل کے بھی حاصل ہیں۔ اور اگر ”لم یقم کل انسان“ کو ”لم یقم انسان“ کی طرح عموم سلب پر محمول کریں تو تاکید کو تاسیس پر ترجیح دینا لازم نہیں آئیگا کیونکہ ترجیح دینا یہ اس وقت ہے کہ جب تاسیس ہو بھی حالانکہ یہاں تاسیس ہی نہیں ہے جب تاسیس کیلئے ہی نہیں اور تاکید کیلئے ہے تو دو تاکیدوں میں سے ایک کو دوسری پر ترجیح دینا لازم آئیگا۔

اعتراض [۳]: آپ نے کہا کہ ”لم یقم انسان“ یہ سالبہ مہملہ ہے حالانکہ یہ سالبہ مہملہ نہیں بلکہ سالبہ کلیہ ہے کیونکہ اس کلام میں نکرہ تحت النفی ہے اور جب نکرہ تحت النفی ہو تو عموم کا فائدہ دیتا ہے عموم کا فائدہ دینے کی وجہ سے حکم کو موضوع کے ہر فرد سے سلب کر لیا گیا ہے اور یہی اس کا سور ہے لہذا یہ سالبہ مہملہ نہیں بلکہ سالبہ کلیہ ہے۔ علامہ عبد القاہر نے کہا کہ اگر لفظ کل تحت النفی ہو اور اسکی خبر فعل ہو یا نہ ہو اور اسی طرح لفظ کل فعل منفی کا معمول ہو یا نہ ہو تو ان

سب صورتوں میں یہ سلبِ عموم کا فائدہ دیگا۔ جیسے ”ماکل یتمنیٰ المرء یدرکہ“ [ایسا نہیں کہ آدمی جس چیز کی آرزو کرے اسے پا بھی لے]۔

س 46:.....: لفظِ کل سلبِ عموم کیلئے کب کب آئیگا؟

جواب:.....: لفظِ کل فعلِ منفی کا معمول ہو چاہے وہ فاعل بن کر معمول بنے یا مفعول بن کر اسی طرح لفظِ کل بعینہ فاعل بن جائے یا مفعول بن جائے یا تاکید بن کر مفعول بننے کی صورت میں چاہے فعل سے مؤخر ہو یا مقدم ان تمام صورتوں میں لفظِ کل تحت النفی آئے یا نہ آئے یہ سلبِ عموم کیلئے ہوگا۔

تاکید کی مثال:.....: ما جاءني القوم كلهم

فاعل کی مثال:.....: ما جاءني كل القوم

مفعول کی مثال:.....: لم اءخذ كل الدراهم

مفعولِ مقدم کی مثال:.....: كل الدراهم لم اءخذ

لفظِ کل اگر تحت النفی آئے یا فعلِ منفی کا معمول ہو اس طور پر کہ وہ تاکید بن رہا ہو یا فاعل بن رہا ہو یا مفعول بن رہا ہو مفعول کی صورت میں مقدم ہو یا مؤخر ہو ان تمام صورتوں میں وہ سلبِ عموم کا فائدہ دیگا جیسا کہ گزشتہ مثال ان تمام صورتوں میں نفی شمول کی طرف متوجہ ہوگی ناکہ اصل فعل کی طرف یہ کلام اس بات کا فائدہ دیگا کہ فعل یا صیغہ صفت لفظِ کل کے مضاف الیہ میں سے بعض کیلئے ثابت اور بعض کیلئے منفی ہے جبکہ لفظِ کل معنًا اس فعل یا صیغہ صفت کا فاعل ہو جو فعل یا صیغہ صفت کلام میں موجود ہو اور اگر لفظِ کل فعل یا صیغہ صفت کا مفعول ہو تو یہ فائدہ دیگا کہ فعل یا صیغہ صفت لفظِ کل کے مضاف الیہ کے بعض کے ساتھ متعلق ہے اور بعض دوسرے کے ساتھ متعلق نہیں۔ اگر لفظِ کل تحت النفی نہ ہو بلکہ حرفِ نفی سے مقدم ہو اور فعلِ منفی کا معمول بھی نہ ہو تو نفی کل مضاف الیہ کے ہر ہر فرد کو شامل ہو گیا اور وہ عموم سلب کا فائدہ دیگی۔